عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

رمضان ۱۴۳۸ھ / جون ۲۰۱۷ء

Reg No. P476

جلد: پنج دھم

شمارہ: 10

فہرست

فی شمارہ : -/20 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/250 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com

zayadtariq@hotmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رویت ہلال

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

رویت ہلال کمیٹی نے اپنی پچھلی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ پورے کرۂ عرض (Globe) سے اختلاف کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ چاند کہیں بھی نظر نہیں آیا لہٰذا ۲۷ مئی بروز ہفتہ روزہ نہیں ہوگا۔ سعودیہ، ترکیہ اور دیگر اسلامی ممالک کے اعلانات جو فقہ کی رو سے خبرِ مستفیض یا خبر افاضہ میں آتے ہیں کو چھوڑیں، ہمارے صوبے کی روئیداد دیکھیں۔ بندہ کے واقفوں میں سے برخوردار سلمان اور ڈاکٹر اشفاق نے چاند دیکھا۔ بندہ کے مریدوں نے مختلف شہروں سے چاند دیکھنے کی اطلاعات بھیجیں۔

آج کل سارے بڑے شہر غبار آلود ہیں۔ پشاور تو اس قدر غبار آلود ہے کہ مغرب کی طرف تاتارا کا پہاڑ نظر نہیں آتا۔ جب بارش ہو جائے اور گرد چھٹ جائے، تب یہ پہاڑ نظر آتا ہے۔ فقہ میں گرد آلود اور غبار آلود دونوں ایک ہی حالت شمار ہوتے ہیں۔ جن میں روزے کے لئے ایک گواہی جبکہ عید کے لئے دو گواہیاں کافی ہوتی ہیں۔ مسجد قاسم علی خان جو کہ تین سو سال سے رویتِ ہلال کی کمیٹی چلا رہی ہے اس کمیٹی نے باقاعدہ گواہیاں لیں، اور علمی محاسبہ اور جرح کر کے قبول کیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ جو فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں پنجاب اور سندھ میں پڑھی جاتی ہیں ہمارے صوبے میں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ اتنے غبی نہیں ہیں کہ انھیں سمجھ نہ سکیں اور ان کی روشنی میں کوئی فیصلہ نہ کر سکیں۔ ان سارے شواہد کے باوجود رویتِ ہلال کمیٹی نے انتہائی معصومیت سے اعلان کیا کہ چاند کہیں نظر نہیں آیا۔

دراصل پہلی رات کا چاند اتنا باریک ہوتا ہے جو 6/6 نہیں بلکہ 6/5 نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ بعض انسانوں کی 6/5 سے بھی ایک درجہ اوپر کی تیز نظر ہوتی ہے۔ بندہ نے جو عرصہ پنجاب اور سندھ میں گزارا ہے وہاں یہ بات سامنے آئی کہ ان علاقوں میں مدارس، مساجد، خانقاہیں، کسی جگہ پورے سال میں کہیں چاند دیکھنے کا عمل یا چرچہ سامنے نہیں آیا۔ قمری تقویم (اسلامی کیلنڈر) فرضِ کفایہ

ہے جس کا حساب رکھنا ضروری ہے، کا یہ حشر ہے کہ کیا مفتی، کیا مشائخ، کیا علماء سب ریڈیو، ٹیلیویژن کے اعلان پر کان دھرنے والے ہیں۔ ہمارے صوبے کے بعض لوگوں میں یہ روایت اور مہارت اب بھی ہے جس کی وجہ سے چاند دیکھنا ممکن ہو جاتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ روزے کے لئے خبرِ واحد کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''مغرب میں دیکھا گیا چاند مشرق کے لئے حجت ہے بشرطیکہ صحیح واسطے سے خبر پہنچ جائے'' کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ ہم سب اہلِ علم آنکھیں بند کر کے اختلاف مطالع کے کمزور مسئلے کے پیچھے پناہ لے رہے ہیں۔ ہم یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ساری دنیا کی خبریں غلط ہیں۔ اگر ایسے ہے تو دلائل سے بات ثابت کرنا پڑے گی۔ اگر ثابت نہیں کر سکتے تو اس کو رد کرنے کی کیا گنجائش ہے۔ ایک ضروری بات یہ ہے کہ قاسم علی خان کی کمیٹی میں حکومت کے نمائندہ علماء بیٹھیں، اور انھیں لاجواب کریں یا خود قائل ہوں۔ دلائل تو درست کا ساتھ دے کر ہمیشہ غلط کو رد کرتے ہیں اور سب کے سامنے بات واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کوئی بات نہ مانے تو اسے ہٹ دھرمی کہا جاتا ہے۔ یہ بات کہہ دینا کہ پشاور، چارسدہ اور مردان کے علماء اور عوام ایسے ہی اعلان کر دیتے ہیں، یہ تو بچگانہ باتیں ہیں۔ ایک مشہور ادارہ جس کا دعویٰ ہے کہ وہ رویت ہلال کی سائنس کی بہت مہارت رکھتا ہے اور ساتھ یہ دعویٰ بھی شائع کرتے ہیں کہ ہر شہر میں ان کی کمیٹیاں ہیں جو چاند دیکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان سے رابطہ کیا گیا کہ پشاور کی کمیٹی کے لوگوں کے نام بتائیں تاکہ ہمارے ساتھی ان کے ساتھ مل کر چاند دیکھیں۔ پتا چلا کہ کوئی باقاعدہ کمیٹی نہیں ہے بلکہ انھوں نے اپنے فضلاء کو کہا ہوا ہے کہ اگر چاند نظر آجائے تو اطلاع کر دیا کریں۔

سینٹ نے کوشش کی کہ ایسی قانون سازی کی جائے جس میں حکومت کے علاوہ اعلان کرنے والوں کو سزا دی جاسکے حالانکہ روزہ بھی نماز کی طرح فریضہ اور عبادت ہے جس کا وقت آنے پر ہر آدمی کو اس کی پابندی کرنی ہوتی ہے، اور یہ شرعی مسئلہ ہے کہ جس مفتی کے دلائل سے آدمی قائل ہو گیا تو اس پر عمل اس کے ذمے واجب ہو جاتا ہے، اور جس سے قائل نہ ہو اس پر عمل اس کے ذمے ہی نہیں ہے۔ ایسی باتوں میں حکومتوں کی سختی بیجا دخل اندازی ہے۔

اہل علم سے یہ سوال ہے کہ ایک طرف ایک ادارہ سائنسی حسابات کو بنیاد بنا کر اعلان کرتا ہے کہ ملک میں چاند کہیں نظر نہیں آیا، جب کہ دوسری طرف کئی لوگ چاند دیکھنے کی شہادت دیتے ہیں اور متقی و ماہر علماء ان کی شہادت کو شرعی اصولوں پر پرکھ کر قابل اعتماد قرار دیتے ہوئے روزے کا فتویٰ دیتے ہیں، تو اب ان میں کس کی رائے کو لیا جائے گا؟

میرے مرید مولوی طفیل صاحب نے اپنے استاذ مفتی تقی عثمانی صاحب کے ایک درس کا حوالہ دیا، جس میں انہوں نے فرمایا کہ میرا ذاتی رجحان یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہو اور اختلافِ مطالع کا اعتبار کئے بغیر سارے عالم اسلام میں ایک ہی دن روزہ ہو۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے حضرات محتاط اہل علم ہیں، اگر وہ شہادتوں کو درست سمجھتے ہوئے روزہ یا عید کا اعلان کریں اور وہاں کی عوام کو ان کے فیصلے پر اعتماد ہو تو وہ اس پر بلا تردد عمل کرنے کے مجاز ہیں اور ان کے عمل پر کسی کا تنقید کرنا ہرگز درست نہیں۔

(صفحہ ۱۵ سے آگے) سچ بات بتاؤں تو یورپ اور امریکہ کے پاس عقل و دلیل نہیں ہے۔ جب عقل و دلیل سے ہمارا مقابلہ نہ کر سکے تو ان اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کی بے عزتی کر کے اور ان کی شان میں گستاخی کر کے اپنے دل کے غصے کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ مستقبل قریب میں اس یورپ کا خاتمہ ہونے والا ہے اور اس امریکہ کا خاتمہ ہونے والا ہے ان شاء اللہ۔ یہ سارے وسائل جو یہ لے کر چل رہے ہیں، یہ ساری چیزیں دھڑام سے گرنے والی ہیں اور تیرے قدموں میں آنے والی ہیں۔ تُو اگر تقویٰ کو اور ایمان والی زندگی کو اختیار نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو کھڑا کر دے گا جو تقویٰ والے ہوں گے، جبکہ تُو مکھی مچھر کی طرح پس جائے گا اور ختم ہو جائے گا۔ تُو حضور ﷺ کی زندگی کو نہیں لے رہا، ان کی تقویٰ والی ترتیب پر نہیں آ رہا تو اللہ پاک کا فیصلہ ہے کہ اگر تم نہیں کرو گے تو میں ایسی قوم کو آگے لے آؤں گا جو اللہ سے محبت کرنے والے ہوں گے، اسلام سے محبت کرنے والے ہوں گے، رسول سے محبت کرنے والے ہوں گے اور کسی دینی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ کرنے والے نہیں ہوں گے، دھڑلے سے ڈنکے کی چوٹ پر دین کو آگے لے کر چلیں گے اور اس پر خود بھی عمل کریں گے اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دیں گے۔ (جاری ہے)

مجلسِ ذکر کا بیان

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم ۔منگل ۵ شعبان ۱۴۳۸ھ بمطابق ۲ مئی ۲۰۱۷ء)

(پروفیسر ڈاکٹر بخاری صاحب (پی۔ایچ۔ڈی اسلامیات) نے سوال کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک، پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور پھر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، تحریک ریشمی رومال، پھر افغانستان کے طالبان کی تحریک، یہ سارے حق پر تھے اور ہمیں یقین ہے کہ یہ آخرت میں کامیاب ہیں، لیکن دنیا میں کیوں کامیاب نہ ہو سکے؟ اس سوال کے جواب میں مندرج ذیل بیان ہوا)

خطبۂ ماثورہ۔امابعد

حال کا امر اور وقت کا تقاضا یعنی کہ کس وقت کیا کرنا ہے، یہ ایک عظیم معرفت اور عظیم علم ہے۔اس کا پانا اور سمجھنا بہت مشکل بات ہے۔جس وقت حضور اقدس ﷺ نے پردہ فرمالیا اور چاروں طرف سے حالات بالکل خراب ہو گئے، دو طرف کے حملے کا تو حضور اقدس ﷺ کے پردہ فرمانے سے پہلے ہی چرچا تھا، جس کے لئے لشکر تیار کر کے Camping کی ہوئی تھی۔لشکر تیار کرنے کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ کسی میدان میں سب جمع ہوتے اور وہیں رہائش شروع کر دیتے، اور جب تیاری مکمل ہو جاتی تو لشکر نکال لیتے۔اس لشکر کو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں جمع ہونا تھا اور کسی کا یہ خیال تک نہیں تھا کہ حالات ایسے ہو جائیں گے کہ حضور اقدس ﷺ پردہ فرمالیں گے اور چاروں طرف سے لوگ پل پڑیں گے۔ابھی یہ لشکر نکلا بھی نہیں تھا کہ حالات ایسے ہو گئے کہ نبوت کے دعویداروں کے سخت حملے کا خطرہ ہو گیا۔جتنا خطرہ رومیوں کے حملے کا تھا اتنا ہی یمامہ کے لوگوں کا تھا۔مسیلمہ کذّاب نبوت کا دعویدار تھا۔یہ حالات تو تھے ہی کہ اتنے میں نو مسلم قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔وہ ایمان کے منکر نہیں ہوئے، بلکہ انھوں کہا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔اب اس حال میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روم کی طرف لشکر بھیجنے کا حکم دیا۔صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اگر لشکر بھیجنا بھی ہے تو کسی بڑی

عمر کے سمجھ دار آدمی کو امیر بنائیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ جس کے ہاتھ میں حضور اقدس ﷺ نے جھنڈا دیا ہے تو ابوقحافہ (ابوبکرؓ کے والد کا نام) کے بیٹے کی کیا طاقت ہے کہ اس سے جھنڈا لے۔ پھر صحابہ کرامؓ نے کہا کہ مشورہ کرلیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا: ''نصوص میں مشورہ نہیں کیا جاتا''۔

نصوص نص کی جمع ہے، جس کا مطلب ہے کہ اس چیز کے بارے میں واضح آیت مبارکہ یا حضور اقدس ﷺ کی واضح حدیث مبارکہ آئی ہو۔ یہ اصول فقہ کی بنیاد ہے۔ اصولِ فقہ کی بڑی بڑی کتابیں اسی بنیاد پر لکھی گئی ہیں۔ یہ اصولِ فقہ ان صحابہ کرامؓ کے اقوال ہیں، جن کو مشکل سے لکھنا پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ مسلمانوں کا دوسرا لشکر مسیلمہ کذّاب کی طرف اور تیسرا لشکر منکرین زکوٰۃ کے خلاف جانا تھا۔ اب اس وقت اس نکتہ کو صحابہ کرامؓ کی مجلس نہیں پاسکی بشمول عمر فاروقؓ کے۔ بس ایک آدمی نے پایا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے! احادیث مبارکہ میں ہے کہ ''ساری امت کا ایمان ایک طرف ہو اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ایک طرف ہو تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایمان بھاری ہوگا''۔ اگر اس مجمع میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نہ ہوتے اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف یہ لشکر نہ نکلتا تو قیامت تک کے لئے اتنا بڑا فتنہ کھڑا ہو جاتا کہ اس کا کفارہ مشکل ہوتا۔ تو اس وقت فقط ایک آدمی نے اس نکتہ کو پایا۔

پھر جب حضرت عمر فاروقؓ نے کھڑے ہو کر دلائل دئے کہ یہ تو ایسا حال ہو جائے گا کہ مدینہ منورہ خالی ہو جائے گا، ہماری تو کوئی پرواہ نہیں ہے، اگر حملہ ہو گیا تو خدانخواستہ حضور اقدس ﷺ کی ازواج مطہرات کو قتل کر دیا جائے اور ان کے دفن تک کا بندوبست نہ ہو، کیا اس حال میں آپ ہمیں چھوڑنا چاہتے ہیں؟ تو اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اٹھے اور اپنے دو ہاتھ حضرت عمر فاروقؓ کے سینے پر مارتے ہوئے انھیں پیچھے گرایا اور فرمایا: ''اَجَبَّارٌ فِي الجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارًا فِي الاِسْلَامِ'' (ترجمہ: جاہلیت میں اتنے سخت تھے اور اب اسلام میں آکر اتنے کمزور ہو گئے) پھر فرمایا: ''میں ہوں جس کے بارے میں فرمایا گیا: ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' (کہ غم نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) غم نہ کرو، اگر تم نہیں جاتے تو میں اکیلے جاؤں گا اور یہ دیکھو میں اکیلا گیا! پھر صحابہ کرامؓ اس وقت ایک مٹھی ہو کر متفق ہو گئے اور چل دئے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اس سطح کا ایمان اور اس سطح کا فہم چند افراد میں ہوتا ہے۔ یہ تو صحابہ کرامؓ کا

اعزاز کا مقام ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات پر "امنّا و صدّقنا" کہہ کر چل دیئے۔ جس وقت امام حسینؓ اس مؤقف پر ڈٹ رہے تھے تو اس وقت اس مؤقف پر کوئی نہیں ڈٹا، کیونکہ اس مؤقف کے پانے والے فقط امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہی تھے۔ مگر ان کی تائید نہیں ہوئی۔ سب نے رخصت پر عمل کیا، عزیمت پر نہیں آئے۔ جبکہ ان کی شہادت کے بعد ایک سال کے اندر اندر سارے قاتلین حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ سب کو قتل کر دیا گیا۔ کیا یہ تائید اس وقت نہیں ہوسکتی تھی جب وہ نکل رہے تھے؟ لیکن اس بات کو ماننا کہ خلافتِ راشدہ کے معیار کو قائم رکھا جائے، گرنے نہ دیا جائے، اس میں ان کا ساتھ نہیں دیا گیا۔

میرے بھائی! ایک تحریک ہوتی ہے اور ایک اس کی تائید ہوتی ہے۔ تحریک کتنی زیادہ حق بجانب کیوں نہ ہو، جب تک اس کی تائید نہ ہو، اس کی کامیابی کے حالات نہیں بنتے۔ ہاں! تحریک والے حضرات اپنی جانیں دے کر آخرت کے لحاظ سے سرخرو ہوجاتے ہیں اور دنیا میں اپنا نیک نام چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ صدیقی تحریک کی تائید ہوئی، جس کے نتیجے میں عظیم کامیابی حاصل ہوئی۔ جبکہ باقی تحریکوں میں تحریک تو حق بجانب تھی لیکن تائید نہ ہوسکی، جس کے نتائج میں تحریک کے سرفروش لوگ تو شہادتوں کے اعزاز پا گئے، جبکہ باقی عوام ظلم وعدوان اور جہالت کے نظاموں کے حوالے ہوتے گئے۔

جب روس کا حملہ ہوا افغانستان پر تو ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں لوگ روز روز کہتے تھے کہ "روس آرہا ہے، روس آرہا ہے، ہم تو انھیں ہار پہنانے کے لئے آگے جائیں گے" کیونکہ بڑی یلغار تھی اس وقت کمیونزم کی۔ ہم سوچتے تھے کہ ہم کیا بحث کریں گے، چھوڑو بے وقوف ہیں، لگے رہیں، پھر مجھے خیال آیا کہ یہ دوسرے لوگوں کو متاثر کر رہے ہیں، تو میں نے ایک دن کہا کہ "او فلانے سنو! اگر روس آیا تو ہم نے یہ نیت کی ہوئی ہے کہ ہم مرد، عورتیں، بچے سب ہاتھ میں ڈنڈے، بندوق، پستول، سریہ، پتھر لے کر ان پر ہلہ بول دیں گے اور ان پر جھپٹ پڑیں گے، یا تو شہید ہوجائیں گے، یا زخمی ہوکر بے بس ہوکر گر پڑیں گے اور دم نہ رہا تو وہ پھر بس سے باہر ہے اور چھوٹے بچے اگر ہمت نہ کرسکے تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ کے حوالے۔ ہم تو یہ کریں گے اور او فلانے سنو! پھر تم ہوگے، روسی فوجی ہوں گے اور تمہاری عورتیں ہونگی پھر ہم نہیں ہونگے۔" بس پھر اس کے منہ پر مہر لگی اور کچھ نہ کہہ سکا۔

جب افغانستان پر حملہ ہوا تو بہت غم تھا اور ایک سقوطِ ڈھاکہ کا بہت غم تھا۔ ہمارے سر چکرا رہے تھے۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ سات دن تک کھانا نہیں کھا سکے تھے اور کھجوری میں اجتماع ہوا ادھر سقوطِ ڈھاکہ ہو گیا ادھر افغانستان میں داؤد کمیونسٹ آگیا۔ حضرت قریشی صاحب زندہ تھے وہ بہت دلیر آدمی اور بہت دانشور آدمی تھے مشرقی ومغربی دونوں پاکستان کے تبلیغی جماعت کے امیر تھے، بھائی عبدالوہاب صاحب وغیرہ لوگ ان کے سامنے بول نہیں سکتے تھے، جیسے چھوٹے بچوں کی ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہیں ایسے کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ افغانستان کی سرحد پر آگے جا کر بالکل قبائلی علاقے میں جا کر بڑے بڑے اجتماعات کرو تاکہ افغانستان کے کمیونسٹوں پر اور خاص کر داؤد پر رعب آئے۔ تو کھجوری میں ہم نے اجتماع کیا اس اجتماع میں کام کرنے کے لئے افغانستان کی سرحدوں پر میں خود گیا ہوں، جہاں عام آدمی نہیں جا سکتا، اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں اکیلے گیا ہوں۔ ناسمجھی کی حالت میں پتہ ہی نہیں چلا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ جان کا بھی خطرہ ہے۔ خیر! قریشی صاحب کی کھجوری میں ہی وفات ہوئی اور میرے ہاتھوں میں ہوئی۔ آخری بات مجھ سے ہی کی۔ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''پاکستان کے غم میں پھٹ کر مر گیا''۔

اس غم سے میرا سر چکرایا اور میں نے یہ تہیہ کیا کہ اب میں ایک جوڑا کپڑوں کا لیتا ہوں اور بس اب میں واپس نہیں آؤں گا جب تک کہ یہ بدلہ نہ لے لوں۔ اس وقت سے میں نے مدینہ مسجد میں جمعہ کا خطبہ شروع کیا ہوا ہے۔ ۴۴ سال ہو گئے اسے۔ دوسرا جب طالبان کا سقوط ہوا افغانستان میں۔ سچ بات ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے بعد یہ عظیم سانحہ تھا ہمارے لیے۔ میں بڑی دعائیں مانگ رہا تھا بڑی پریشانی میں کہ یا اللہ یہ کیا ہو گیا۔ میرے قلب پر یہ بات وارد ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کی نعمت افغانستان والوں سے لے لی، کیونکہ ناشکرے اور ناقدرے تھے۔ کُشت وخون کے بارے میں یہ بات وارد ہوئی کہ کوئی کُشت وخون نہیں ہو رہا، بلکہ شہادتوں کے اعزاز تقسیم ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جانے کو ہم ناکامی نہیں کہا کرتے، بلکہ اول کامیابی ہم اسی کو کہتے ہیں، یہ تو درجہ اول کی کامیابی ہوتی ہے۔ شہادت جو ہوتی ہے اس میں جو اللہ تعالیٰ کے تعلق والے ہوتے ہیں اور غیرت والے ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اعزاز کے ساتھ اُٹھا لیتے ہیں اور جو کوڑا، کباڑ رہ جاتا ہے اس کو پھر بھگتنا ہوتا ہے۔

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مؤمن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ٹیپو سلطان کے آخری مشورہ میں اس کے بہت قریبی ساتھیوں نے کہا کہ بادشاہ سلامت جتنے بھی بڑے بڑے اراکین سلطنت تھے وہ انگریزوں سے مل گئے ہیں اوران کوانہوں نے اندر آنے کی دعوت دے دی ہے۔حیدر علی کے زمانے سے خوشامدی اور شیعہ آگے آگئے تھے۔مدارِ مہام (یعنی وزیر اعظم اور چیف سیکرٹری) میر صادق شیعہ تھا۔یہ بہت تابعدار اور بہت خوشامدی ہوتے ہیں اور ایسے دُم ہلانے والے کہ آدمی کہتا ہے کہ اس کے بغیر میں کیسے چلوں گا۔اس بات کو یاد رکھنا ہمیشہ کے لئے کہ خوشامدی آدمی قریب ہو جایا کرتا ہے۔خیر آخری وقت تھا سلطنت کا، ذرا چھیڑیں تو سارا نظام ہی گرتا ہے دھڑام سے۔تو اس مشورہ کو چھوڑ کر ٹیپو سلطان اندر چلا گیا اور جب باہر آیا تو میدان جنگ کا لباس پہنے ہوئے تھا اور بس اس نے آخری معرکے اور شہادت کی نیت کرلی۔اسی وقت اس نے یہ تاریخی جملہ بولا:''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے''۔

سخت حالات اس وقت بنے جب انگریزی فوج قلعے کے دروازے تک آگئی اور فوجی جان لڑا کرلڑ رہے تھے تو میر صادق نے کہا کہ تنخواہ لینے کے لئے آجاؤ۔اس نے قلعے کے گیٹ کو خالی کروالیا اور جب قلعے کا گیٹ خالی ہوا تو انگریزی فوج داخل ہوگئی۔اس وقت سب سے پہلے جو آدمی مارا گیا وہ میر صادق ہی تھا،اور سب سے پہلے جو عورتیں بے عزت ہوئیں وہ میر صادق کے خاندان کی ہی عورتیں تھیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اور انگریزوں نے کہا تھا کہ ٹیپو سلطان کے خاندان کو باعزت محفوظ کرنا ہے اور باعزت محفوظ نکال کران کے دو بیٹوں کو لکھنؤ لے جا کر ساری ضروریاتِ زندگی دے کر ایک دہریہ کے حوالے کیا ہوا تھا کہ ان کو دہریہ بنالے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اعزاز واحترام کو باقی رکھا۔تو ہوتا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندوں کو اللہ تعالیٰ ایسے ذلیل نہیں کرتا۔ذلیل تو دنیا داروں کو ہونا ہوتا ہے۔وہ تو سرخرو ہوکر نکل جاتے ہیں۔اور دنیا کے لحاظ سے بھی وہ ناکامی نہیں ہوتی کہ ذلت ورسوائی ہو۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۸۶)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

دین والوں سے رابطہ اگر فالتو نیت سے بھی ہو تب بھی وہ ایسی چیز ہے کہ سنگِ پارس ہے:

فرمایا کہ عام طور پر ساتھی مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ تمہارا گرمیوں کا اجتماع بس ایسے ہی سیر سپاٹا ہوتا ہے۔لوگ ایسے ہی سیر سپاٹے کی نیت سے جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ سیر سپاٹا بھی ناجائز نہیں ہے ۱۹۶۴ء میں ہمارے اسلامیہ کالج کے دو ساتھی تھے، دونوں کے اللہ درجات بلند فرمائے، اب ان کی وفات ہو چکی ہے، ایک ہمارے علاقے کے تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ یہاں ایک تبلیغی اجتماع ہو رہا ہے، آپ ہمارے ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہو۔ میں نے کہا اجتماع کیا ہوتا ہے بس تقریریں وغیرہ ہوتی ہیں، تقریریں میں خود بھی کر سکتا ہوں، میں تو کالج کا Debator (مقرر) ہوں، اجتماع پر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آدمی بڑا سمجھدار تھا، اس نے کہا تقریر وقریر چھوڑو، Village Life کو Enjoy کریں گے یعنی دیہاتی زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔ یہ ساتھی ہری پور کے عبدالباری صاحب تھے جو بعد میں عربی کے پروفیسر ہوئے۔ ہمارے سکول کالج کی کتابوں میں مضمون ہوتے تھے ویلیج لائف، اس بنا پر میں نے کہا ٹھیک ہے، سیر کو جائیں گے۔ دوسرے ساتھی چترال کے مرید حسن صاحب تھے۔ انھوں نے کہا کہ یونیورسٹی کی بس کرائے پر لی ہے اس میں بیٹھ کر جائیں گے، بڑی سیر ہو گی، دیہاتی زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔

جب انھوں نے سب کو بس میں بٹھا دیا تو مرید حسن صاحب، جو امیر بھی تھے، نے کہا کہ سب پڑھیں: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا... انھوں نے شاید سَخَّرَ کے بجائے سَخَّرُ پڑھ لیا یعنی 'ر' پر زبر نہیں پڑھی۔ مجھے بڑا غصہ آیا، ان دنوں میں عربی کا صرف نحو پڑھا کرتا تھا۔ میں نے کہا: اِدھر آؤ! آپ نے 'ر' پر زبر نہیں پڑھی، اس سے صیغہ بدل گیا، معنیٰ میں اتنا فرق آ گیا، امیر صاحب کی

ڈانٹ ڈپٹ کر دی۔ امیر صاحب ماشاء اللہ عام امیر نہیں تھا، بنا ہوا آدمی تھا، ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اولین مریدوں میں سے تھا، اس نے عاجزانہ جواب دیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، پتا نہیں تھا۔ آپ کسی متکبر آدمی کو ڈنڈا ماریں سر پر اس سے اتنا اثر اس پر نہیں ہوگا لیکن اس سے عاجزانہ ایک جملہ کہہ دیں تو اس کو شکست کھانا پڑتی ہے۔ واقعی کبر تواضع کے آگے شکست کھا جاتا ہے۔ اس نے جب یہ بات کہی تو میرا دل بڑا متاثر ہوا کیونکہ میرا خیال یہ تھا کہ یہ آگے سے بحث کرے گا، اس پر مناظرہ ہوگا، پھر پتا چلے گا کہ علم کس کو آتا ہے۔ خیر اجتماع کی جگہ پر پہنچے، پشاور کے دیہات سربند کی کھلی زمین، اوپر شامیانے، نیچے گھاس بچھائی ہوئی۔ آدمی نے اعلان کیا: یہیں نماز پڑھو گے، یہیں بستر بچھاؤ گے اور سوؤ گے۔ حیرت ہوئی... ہم کالج کے طلبہ کیسے یہاں کھلی زمین پر سوئیں گے؟ پشاور میں اس زمانے میں دیہات میں نلکوں کا بندوبست بالکل نہیں تھا۔ آب پاشی کی نالیوں میں نہر کا پانی بہتا تھا۔ اسی سے تالاب بھر لیتے تھے، اسی پانی سے وضو کرتے تھے اور اسی کو پیتے تھے۔ ہم نے کہا: نہ اس کا پانی پیتے ہیں، نہ اس سے وضو کریں گے، یہ کوئی انسانوں کا پانی ہے! کچھ چلے پھرے تو ایک مسجد میں ہینڈ پمپ لگا ہوا ملا۔ شکر کیا کہ پانی کا تو بندوبست ہو گیا۔

شام کا بیان حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب خطیب ٹیلیفون فیکٹری ہری پور کا ہوا۔ حضرت صرف تبلیغی امیر صاحب نہیں تھے بلکہ سلسلے میں بیعت، ذاکر و شاغل اور کامل آدمی تھے۔ ان کا بیان اس لئے کرایا گیا کہ وہ خود ہی اردو بیان کا پشتو میں ترجمہ بھی کرلیں گے۔ انھوں نے آیت ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ.. کا بیان کیا اور بتایا کہ حالات کا تعلق اعمال سے ہے۔ اعمال بگڑتے ہیں تو حالات بگڑتے ہیں اور اعمال سنورتے ہیں تو حالات سنورتے ہیں۔ زبردست بیان تھا۔ یونیورسٹی والوں کے مطابق زبردست Logical Order یعنی منطقی ترتیب پر تھا، بہت متاثر ہوا۔ جوں بیان ختم ہوا میں نے ساتھیوں سے کہا کہ یہ بیان بہت اہم ہے، اس کو لکھ کر میں اس کا پمفلٹ شائع کرنا چاہتا ہوں تاکہ سب لوگوں کو پتہ چلے کہ مولوی صاحب نے جو بات کہی ہے وہ کتنی ضروری بات ہے۔ ساتھیوں نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے لیکن سارے بیان کے نتیجے میں مولانا صاحب نے ایک مطالبہ کیا ہے اور وہ ہے وقت

لکھوانے کا! اس پر میں نے وقت لکھوالیا۔ اللہ کی شان کہ وہی بنیاد بن گیا ہماری زندگی کے بدلنے کا۔ واقعی دین اور دین والوں کا رابطہ اگر فالتو نیت سے بھی ہو تب بھی وہ ایسی چیز ہے کہ سنگِ پارس ہے۔

حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں ظاہری حیات سے زیادہ قوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں:

فرمایا کہ ہماری پشاور یونیورسٹی میں ایک حافظ صاحب ڈیرہ اسمٰعیل خان سے قرآن سنانے کے لئے آتے تھے۔ یہ حافظ عبدالحق نابینا تھے۔ اتنا زبردست حافظ تھا کہ سنانے کے لئے تیاری نہیں کیا کرتے تھے۔ جب سنانے کھڑے ہوتے تو از اول تا آخر کہیں غلطی نہیں ہوتی تھی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اعمال کی آفتیں بیان کی ہیں۔ حافظوں کی بھی ایک آفت ہوتی ہے کہ ہم کچھ ہیں اور ہمیں ایسا زبردست یاد ہے، ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ حافظ عبدالحق صاحب نے ایک دفعہ پورا قرآن ختم کرلیا، آخری دن سورۃ فاتحہ میں بھول گیا۔ پیچھے کھڑے آدمیوں نے تین بار فتح دیا لیکن درست نہ کرسکا۔ اس پر لوگوں نے بعد میں کہا کہ حافظ صاحب قرآن کا زور دیکھ لیا!

حافظ عبدالحق صاحب کا مشغلہ ہوتا تھا قادیانیوں کے ساتھ مناظرے کرنا۔ دیہاتوں کے مناظرے تو جیتتا رہتا تھا۔ یونیورسٹی کے پاس قادیانی پروفیسروں کے چند مکان تھے۔ حافظ صاحب نے ان کو کہلوایا کہ میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ مناظرہ کرنے کے لئے جو گیا تو، دیہاتی مناظرے تو اس نے جیتے ہوئے تھے، پروفیسر صاحبان نے حافظ صاحب کو گھیر لیا۔ کسی نے مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات کہی کہ حافظ عبدالحق صاحب مناظرہ کے لئے گیا تھا اور قادیانی پروفیسروں نے اس کو بند کیا ہوا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حافظ صاحب سے کہو کہ واپس آجائے اور کل کی تاریخ ان کے ساتھ مقرر کرلے۔ دوسرے دن مناظرہ مقرر رہا۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے سارا وقت کتابوں کے حوالے جمع کرنے میں گزارا۔ بنوں کا مہربان نامی ایک لڑکا انجینئرنگ کا طالب علم تھا، اس کا بھی جذبہ ہوا کہ قادیانیوں کی کتابیں پڑھوں جیسے کہ مولانا صاحبؒ پڑھ رہے ہیں، پھر مناظرہ کریں گے اور جیتیں گے۔ رات کو مہربان کو حضور ﷺ کی

زیارت ہوئی اور مہربان سے فرمایا: ''تُو یہ کتابیں نہ پڑھ، ان کے پڑھنے کے لئے اشرف کافی ہے۔'' سچ بات ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں۔ حضرت حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ملفوظ ہمارے پاس موجود ہے: ''حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں ظاہری حیات سے زیادہ قوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔''

قادیانیوں سے مناظرہ بھی ایک فن ہے۔ یہ ایک خاص طریقے سے مناظرہ شروع کرتے ہیں تو جس آدمی کو پتہ نہ ہو کوئی کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو اگر اس نے ختم نبوت والوں سے ٹریننگ نہ لی ہو تو اس کو پھانس لیتے ہیں اور بہت تنگ کرتے ہیں۔ عام آدمی کو ان کا تربیت یافتہ مناظر بہت پریشان کر دیتا ہے، اس لئے علماء کو تھوڑی سی تکلیف کر کے قادیانیوں کے مناظرے والا کورس ضرور کرنا چاہئے۔ اس مناظرے سے جب واپس آئے تو حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ان کی ایک کتاب سے میں نے حوالہ دیا تو ان کا ایک آدمی وہ کتاب لے کر آیا اور اس تحریر پر انگلی رکھ کر جس کا میں حوالہ دے رہا تھا کہنے لگا: ''دکھاؤ کدھر ہے اس میں؟'' میں نے کہا بالکل یہود کے بچے ہو، وہ بھی اسی طرح تورات میں مطلوبہ جگہ پر انگلی رکھ کر چھپایا کرتے تھے۔ انگلی ہٹاؤ تو نیچے وہ لکھا ہوا ہے جو میں نے کہا ہے۔

مفاد پرست مبتدعین:

فرمایا کہ مفاد پرست مبتدعین کا گروہ تو سلسلۂ تصوف سے صرف مفادات حاصل کرنے کے لئے ہے۔ ان کا بنیادی مقصد مفادات ہیں خواہ وہ کسی ترتیب سے ہی حاصل ہوتے ہوں۔ مفاد پرست مبتدعین کی پہلی جعل سازی گدی نشینی کے ذریعے شروع ہوئی۔ جب مشائخ کاملین دنیا سے رخصت ہوتے تو ان کی جگہ پر کسی نہ کسی کو بٹھا دیا جاتا۔ حالانکہ جو لوگ صحیح نائب ہوتے تھے ان کو بٹھانا ہوتا تھا۔ جب تک اس بات پر عمل ہوتا رہا بہت فائدہ ہوا۔ لیکن خاندان کے لوگ کاملین حضرات کے ان مفادات کو، جو ان کی زندگی میں خاندان کو مل رہے ہوتے تھے، چھوٹتا دیکھ کر نا اہل صاحبزادگان، برادران وغیرہ کو بٹھانے لگے، جن کے پاس علم نہ عمل۔ جب لوگوں کی آمد و رفت ختم ہونے کو ہوتی تو ان لوگوں کو ایسا

طریقہ کار اختیار کرنا پڑتا جس سے لوگوں کی آمد ورفت بحال رہے۔ چنانچہ ساز وآواز، عرس ومیلہ کے طریقوں کو اختیار کر کے آنے والوں کی تعداد کو بڑھایا گیا جس سے زہد وتقویٰ کو سیکھنے والے لوگوں کی بجائے میلے ٹھیلے والے عوام ہی جمع ہونے لگے۔ آمدن تو خوب بڑھتی گئی لیکن تقویٰ ندارد۔ بات یہاں تک نہ رکی بلکہ ان صاحبزادگان میں شراب، کباب، شباب، رباب کی ساری قباحتیں شروع ہوگئیں۔ جب اس دور کے صحیح علم وعمل والے علماء ومشائخ نے ان پر رد کیا تو یہ بپھر کر ایسے جھپٹے کہ صحیح علم وعمل والے لوگوں کو ہر طرح ستانے اور اذیت پہنچانے کے لئے تیار ہوگئے اور اس بات کا چرچا کرنے لگے کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور، شریعت ظاہر ہے طریقت باطن ہے، طریقت کے باطنی اعمال گہرے راز اور رمز ہیں جو ظاہری علماء کو نظر نہیں آتے اور ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں وغیرہ، اس طرح عوام کو دھوکہ دے کر اپنا اُلو سیدھا کرتے رہے۔ برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش سے شروع کر کے شام، مصر، الجزائر سے ہوتے ہوئے دنیائے اسلام کے آخری کنارے تک چلے جائیں، ہر جگہ اس طرز کے بگڑے ہوئے گدی نشین اور آستانے نظر آئیں گے۔ اس چیز سے بالآخر چرسی، بھنگیوں کے ٹھیے آباد ہوئے اور کئی اہل سنت والجماعت مشائخ کی اولادیں اہلِ تشیع کی غلاظت میں گر پڑیں۔

سچ بات ہے کہ طریقت کوئی جدا چیز نہیں بلکہ وہ طریقت ہی نہیں جو شریعت کے خلاف ہو اور شریعت والوں کو سمجھ نہ آرہی ہو۔ طریقت تو شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی ترتیب ہی ہے اور کچھ نہیں۔ جو ہے وہ سب شریعت میں ہی ہے، شریعت کے علاوہ دین کا کوئی جدا شعبہ نہیں ہے۔ جس طرح ظاہری شریعت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہے، اسی طرح باطنی شریعت کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریا وغیرہ سے نکلنا اور تواضع، قناعت، ہمدردی، صبر، شکر، اخلاص وغیرہ کو حاصل کرنا ہے۔

ان نام نہاد متصوّفین کے قسم ہا قسم سلسلے بندہ نے اپنی زندگی میں دیکھے۔ بعض سمجھدار اور دانشور قسم کے لوگوں کا طریقۂ واردات عجیب ہی سامنے آیا۔ ایک برخوردار جامعہ اشرفیہ جیسے ادارے سے فارغ التحصیل عالم بنا، تبلیغی جماعت کے ساتھ سال لگایا اور کسی بڑے مدرسے کے ایک کامل شیخ سے بیعت ہوا۔ شیخ صاحب کو خیال ہوا کہ تبلیغی جماعت کے علماء کے یک سالہ کورس میں شاید مکمل تربیت ہو

جاتی ہے۔ یہ بھی کچھ اس طرح شیخ صاحب کے آگے پیچھے ہوتا رہا کہ انہوں نے بالکل نوعمری میں ہی خلافت دے دی۔ صاحب بہادر نے سلسلہ چلانا شروع کر دیا اور سلسلہ امریکا تک پہنچا دیا۔ کچھ عرصہ پہلے بندہ کی مسجد میں ایک صاحب خط چھوڑ گئے۔ فریاد لکھی تھی: ''جس آدمی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بیعت کی تھی اور ایسی خدمت کی تھی جیسی خدمت آدمی اپنے ماں باپ کی کرتا ہے، اس نے ہی عظیم ظلم کیا اور عظیم نقصان پہنچا دیا۔ بندہ کی عالمہ بیٹی کا رشتہ اپنے ایک مدرسے کے طالب علم چیلے سے کروالیا۔ اسی داماد کے ذریعے چار لاکھ روپے بھی مجھ سے ہتھیا لئے۔ حقیقتِ حال پیر اور چیلے کی جب سامنے آئی تو پتہ چلا کہ پیر صاحب کی بارہ شادیاں ہیں، پلاٹوں کے گھپلے اس کے علاوہ ہیں۔''

خیر اس مظلوم نے اس ڈبہ پیر صاحب کے شیخ صاحب سے فریاد کی جو کہ مخلص محقق شخصیت تھے۔ انہوں نے ڈبہ پیر صاحب اور چیلے دونوں کو بلایا۔ چیلے سے طلاقِ بائن دلوائی اور ڈبہ پیر سے خلافت واپس لی اور اشتہار دے کر اس بات کا اعلان کروایا تا کہ لوگ اس کی وارداتوں سے محفوظ رہیں۔

توحید و رسالت:

فرمایا کہ جب امریکہ نے حضور اقدس ﷺ کی زندگی پر فلم بنانے کی گستاخی اور جسارت کی تو اللہ کا شکر ہے کہ عالمی سطح پر ایسا ردعمل ہوا کہ یہ مثالی اور ریکارڈ ردعمل رہا۔ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ یہ ایک اہم سوچنے کی بات ہے۔

جہاں تک توحید کا تعلق ہے تو یہودی بھی خدا کو مانتے ہیں اور عیسائی بھی خدا کو مانتے ہیں۔ امریکی ڈالر پر لکھا ہوا ہے In God We Trust۔ روس کے مقابلے میں جو کہ خدا کو نہیں مانتے، ایک slogan اور نعرے کے طور پر امریکی کہتے ہیں کہ In God We Trust۔ تو اللہ کو یہودی بھی مانتے ہیں، عیسائی بھی مانتے ہیں، مجوسی بھی مانتے ہیں۔ کمیونسٹوں اور دہریوں کے سوا، خواہ نام کا ہی مذہب ہو، خدا کو مانتے ہیں اور توحید کا اقرار کرتے ہیں۔ اختلاف جو آتا ہے وہ رسالت میں ہے۔ حضور ﷺ کو ہم نبی مانتے ہیں جبکہ وہ نہیں مانتے۔ اختلاف اس جگہ پر ہے۔ اس لئے اگر مسلمان اور اسلام کا خاتمہ کرنا ہو تو وہ توحید کے خاتمے سے نہیں ہوسکتا۔ امت مسلمہ کا خاتمہ رسالت کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ

سوائے کمیونسٹوں کے باقی سارے مذاہب والے توحید کو مانتے ہیں۔ اس لئے توحید کے خاتمے سے اور توحید پر زد آنے سے مسلمان ختم نہیں ہوتا۔ مسلمان ختم ہوتا ہے تو رسالت کے خاتمے سے۔ حضور ﷺ کے خاص تعلق کے ختم ہونے سے یہ ختم ہوتا ہے۔

پنجاب کے ایک مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کا اسلام کے بارے میں ویسا ہی معاملہ ہے جیسا کہ بوڑھے دادا جی کا ہوتا ہے۔ بوڑھے دادا جی کی نظر بھی کام نہیں کر رہی، لاٹھی ٹیک کر چل رہے ہیں، اس کے دس پوتے ہیں، دس نواسے ہیں، چار اس کے بیٹے ہیں، بڑی حیثیت پر ہیں سب۔ البتہ دادا جی کوئی بھی بات کہیں اس کو مانتے نہیں ہیں، بیٹے نہ پوتے۔ لیکن گلی میں سے گزرتے ہوئے اس معذور آدمی کو کوئی گالی دے دے تو ساری برادری مرنے مارنے پر تیار ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کی بے عزتی تو سارے خاندان کی بے عزتی ہے۔ اس کی بے عزتی اگر ہم نے سن لی اور رد عمل نہیں کیا پھر تو ہم یہاں رہنے کے قابل ہی نہ رہے۔ ہماری ساری عزت خاک میں مل گئی اور مخالف کہے گا کہ ان کے دادا کو ہم نے بے عزت کر دیا یہ کچھ نہیں بول سکے تو اب اور کیا کریں گے۔ پورا خاندان جو اس جگہ سٹینڈ لیتا ہے وہ اس لئے کہ ان کی حیثیت ختم ہو رہی ہے اس کے بعد۔ اگرچہ اس کی بات ہم مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں وہ علیحدہ بات ہے لیکن اس بات کو تو مان رہے ہیں کہ یہ ہمارا دادا ہے۔ جیسے کہ ایک ہوتا ہے خدا کو ماننا، ایک ہوتا ہے خدا کی ماننا۔ اب دادا کی بات ہم مانتے ہیں کہ نہیں، وہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے، اس کو بعد میں دیکھا جائے گا، پہلی بات یہ ہے کہ اس کی عزت پر جو حرف آرہا ہے اس سے تو ہمارا خاندان اور خاندانی حیثیت ختم ہو رہی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ انسان جب بحث کرتا ہے تو عقل اور دلیل سے کرتا ہے۔ جب کسی کے پاس عقل اور دلیل ہو تو اس کو بات کرنے کی ہمت ہوتی ہے کہ میرے پاس دلائل ہیں، میرے آگے کوئی نہیں ٹھہر سکتا اور نہ کوئی جواب دے سکتا ہے۔ جب عقل و دلیل سے بات کرنے کے حالات نہ رہیں اور دلائل کسی کے پاس نہ ہوں تو پھر Personal Attack (ذاتیات) پر اتر آتا ہے، گالم گلوچ پر اتر آتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کے پاس دلائل نہیں ہیں۔ (باقی صفحہ ۳ پر)

(قسط:۲)

نیا طوفان اور اس کا مقابلہ

عصر حاضر کے اس ذہنی اور اعتقادی ارتداد کی نشاندہی جو مغربی تہذیب و فلسفۂ حیات کے اثر سے ایک طوفان کی طرح عالم اسلام میں پھیل گیا ہے اور اس کے سد باب اور مقابلہ کی دعوت

(مفکر اسلام علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

جاہلی عصبیت اور ''مذہبی قوم پرستی'':

ان فلسفوں نے جہاں ایک طرف عقائد اور اخلاقی قدروں کو مجروح کیا ہے، وہاں ان جاہلی جذبات و احساسات کی تخم ریزی بھی دنیائے اسلام میں کی ہے، جن سے اسلام نے کھل کر جنگ کی تھی اور جن پر پیغمبر اسلام ﷺ نے پوری قوت سے چوٹ لگائی تھی۔ مثال کے طور عصبیت جاہلیہ کو لیجئے جو نسل، وطن یا قومیت کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کی اس قدر تقدیس کی جاتی ہے، اس طرح اس پر جان دی جاتی ہے اور انسانی برادری کو اس کی بنیادوں پر تقسیم کرنے میں اتنا غلو پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ (عصبیت) ایک مستقل عقیدہ اور ایک مستقل دین بن جاتی ہے۔ دل و دماغ پر اس طرح اس کا قبضہ ہو جاتا ہے کہ ساری زندگی کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ یہ اپنی ہمہ گیری، اپنی طاقت اور اپنے اثرات کی گہرائی اور مضبوطی کے لحاظ سے بلاشبہ دین و مذہب کی حریف اور اس کی گرفت انسان کی پوری زندگی پر ہوتی ہے۔ یہ جب کسی معاشرہ پر چھا جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی کوشش اور کارناموں پر پانی پھر جاتا ہے اور دین عبادات اور چند رسوم و رواج کے دائرے میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے، جو کہ پوری زندگی پر فرماں روائی کے لئے آیا تھا، پھر اس کے نتیجے میں عالم انسانیت چند متحارب کیمپوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور وہ ''امتِ واحدہ'' جس کے متعلق پروردگار عالم کا ارشاد ہوا تھا وَإِنَّ هَٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ (المؤمنون:۵۲)... پارہ پارہ ہو کر بے شمار ٹکڑوں میں بٹ جاتی ہے۔

اسلام اس عصبیت سے کیوں برسر جنگ ہے؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عصبیت جاہلیہ کے خلاف پوری شدت سے جنگ

کی تھی، اس کے بارے میں اپنی امت کو صاف الفاظ میں آگاہی دی تھی، اور ہر اس بنیاد پر تیشہ چلایا تھا جس سے یہ ابھر سکتی ہے اور اس باب میں یہ رویہ ضروری بھی تھا، اس لئے کہ ان عصبیتوں کے ساتھ ایک عالمی دین کے قیام کا کوئی امکان نہیں تھا اور امتِ واحدہ کی وحدت چار دن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی۔ اس عصبیت کی مذمت اور اس کی تردید شریعت اسلامیہ میں ایک مسلّم حقیقت ہے، بے شمار نصوص (قرآن کی آیات اور احادیث) ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اسلام کا اس عصبیت سے بُعد (دوری) ایک بدیہی چیز ہے، جو شخص اسلام کے مزاج سے بلکہ مطلق دینی مزاج ہی سے واقف ہوگا اس پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ یہ مزاج ان عصبیتوں کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا۔ سیاسی رجحانات وخیالات سے خالی الذہن ہو کر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نا ممکن ہے کہ بین الانسانی تفریق اور عالم انسانیت کی تباہی وتخریب میں جو عوامل کارفرما رہے ہیں ان میں ان جاہلی عصبیتوں کا درجہ بہت اونچا ہے۔ پس قدرتی بات ہے کہ جو انسان اس لئے آیا ہو کہ پوری دنیا کو ایک اکائی بنائے، جو اس لئے آیا ہو کہ تمام نوع انسانی کو ایک جھنڈے کے نیچے اور ایک عقیدے پر جمع کرے، جو اس لئے آیا ہو کہ ایک نیا معاشرہ وجود میں لائے، جو دین ''ایمان برب العالمین'' کی بنیادوں پر استوار ہو، جو اس لئے آیا ہو کہ خارزار عالم میں امن وسلام کے پھولوں کی سیج بچھائے، جو اس لئے آیا ہو کہ انسانیت کے پورے خاندان کو محبت والفت کی ایک لڑی میں پروئے، جو اس لئے آیا ہو کہ انہیں باہم شیر وشکر کر کے اس طرح یکجان بنا دے کہ ایک کو دکھ ہو تو دوسرا بھی تڑپے.... اس مشن کے حامل انسان کے لئے بالکل قدرتی اور بالکل عقلی بات ہے کہ.... وہ ان نسلی، لسانی اور قومی عصبیتوں کے خلاف کھلا اعلان جنگ کرے، اور اس انتہائی حد تک ان کے خلاف لڑے کہ یہ قصۂ ماضی بن کر رہ جائیں۔

ممالک اسلامیہ میں ''قوم پرستی'' کی مقبولیت:

لیکن یورپ کے سیاسی اور ثقافتی غلبہ کے بعد سے دنیائے اسلام کا، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ علی آلہ وسلم کے وجود سے وجود میں آئی، حال یہ ہے کہ وہ انہیں عصبیتوں کو اپنے دل ودماغ میں جگہ دے رہی ہے، اور اس طرح انہیں مان رہی ہے جیسے کوئی علمی نظریہ اور کوئی حقیقتِ ثابتہ ہو، جس سے مفر

(چھٹکارا) نہ ہو۔آج اس دنیائے اسلام کا حال یہ ہے کہ اس میں بسنے والی تمام قومیں حیرت انگیز حد تک ان عصبیتوں کو زندہ کرنے اور ان کے گن گانے کی طرف راغب ہیں جن کو اسلام ہی نے موت کی آغوش میں سلایا تھا...حتیٰ کہ ان قومی و جاہلی شعائر کے احیاء کا جذبہ بھی آج موجزن ہے، جو کھلی ہوئی بت پرستی کا مظہر ہیں....ان ملکوں میں اس عہد قبل اسلام کو سرمایۂ افتخار گردانا جا رہا ہے، جسے اسلام ''جاہلیت'' اور صرف جاہلیت کا نام دیتا ہے....اور یہ وہ لفظ ہے جس سے زیادہ وحشت اور تنفر انگیز کوئی دوسرا لفظ اسلام کی لغت میں موجود نہیں.....جس سے نجات پانے کو، قرآن مسلمانوں پر احسان ٹھہراتا ہے اور تلقین کرتا ہے کہ مسلمان اس نعمت کا شکریہ ادا کریں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب کہ تم تھے آپس میں دشمن پس الفت ڈالی اس نے تمھارے دلوں میں، سو اب ہو گئے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے تو اس سے تم کو نجات دی۔

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (الحجرات:۱۷)

ترجمہ: بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے راہ دی تم کو ایمان کی، اگر سچ کہو۔

هُوَالَّذِىْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحدید:۹)

ترجمہ: وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر صاف آیتیں تا کہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا ہے۔

دور ''جاہلیت'' کے بارے میں ایک مسلمان کا مؤقف:

اس کے بعد تو ایک مؤمن کا حال یہ ہونا چاہئے کہ ''جاہلیت'' کا.....چاہے وہ قریب العہد (قریب کا زمانہ) ہو یا بعید العہد (دور کا زمانہ) ہو.....جب بھی ذکر زبان پر آئے حقارت و نفرت کے

ساتھ آئے....اور ہر بنِ مُو سے ناگواری کے جذبات ٹپکنے لگیں۔آپ نے کسی قیدی کو دیکھا ہے کہ رہائی پانے کے بعد وہ اپنے دور قید و محن کو یاد کرے اور اس کا روں روں ناگواری سے پھکنے (جلنے) نہ لگے....؟ کیا کسی مہلک اور موذی مرض سے صحت پانے والے کو آپ نے دیکھا ہے کہ اسے اپنی بیماری کے ایام و احوال یاد آئیں اور اس کا دل افسردہ اور رنگ متغیر نہ ہو....؟ اور کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ رات کو ڈراؤنے اور پریشان کن خواب دیکھنے والا صبح کو ان خوابوں کو یاد کرے اور خدا کا شکر ادا نہ کرے کہ یہ محض اوہام و خیالات نکلے، پھر جب قیدی اپنے دور قید و محن کو خوشی سے یاد نہیں کرتا، جب صحت یافتہ مریض کے لئے اپنے ایام کرب کی یاد خوشگوار نہیں ہوتی اور جب برے خوابوں کو یاد کر کے شکر ہی ادا کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ خواب بس خواب ہی رہے....تو جاہلیت تو ان سب سے بدتر شے ہے، جو جہل و ضلالت کی بدترین اقسام پر مشتمل ہے اور دنیا اور آخرت کے کتنے ہی نقصانات اور خطرات اس میں پنہاں ہیں۔ اس کی یاد پر سزاوار (ضروری) ہے کہ آدمی کو شدید سے شدید تر ناگواری ہو اور بے اختیار شکر ادا کرنے کو جی چاہے کہ اس کے دن بیت گئے اور خدا نے اس تاریکی سے نجات دی۔اس لئے تو حدیث صحیح میں آتا ہے:

ثلث من کن فیه وجد حلاوة الایمان ان یکون اللّٰه ورسوله احب الیه مما سواهما وان یحب المرء لا یحبه الا للّٰه وان یکره ان یعود الیٰ الکفر کما یکره ان یقذف فی النار. (رواہ البخاری)

ترجمہ: تین باتیں ہیں یہ جس میں پائی جائیں گی اسے ایمان کا ذائقہ نصیب ہوگا، ایک یہ کہ اللہ و رسول ﷺ ہر شے سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ اگر آدمی کسی سے محبت کرتا ہو تو صرف اللہ کے لئے کرتا ہو، تیسرے یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اتنا شاق ہو جیسے کہ آگ میں ڈال دیا جائے۔

اور خداوند قدوس جاہلیت کے شعائر اور جاہلی رجال و اکابر کی مذمت کرتے ہوئے بے لاگ اور بے رو و رعایت انداز میں فرماتا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ○

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ (قصص: ۴۱، ۴۲)

ترجمہ: ''اور کیا ہم نے ان کو (اہل دوزخ کا) پیشوا بنایا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف، نہ ملے گی مدد ان کو قیامت کے دن، اور پیچھے رکھ دی ہے ان کے ہم نے اس دنیا میں لعنت، اور قیامت کے دن ہوگی ان پر برائی۔'' ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (ھود: ۹۹-۹۷)

ترجمہ: اور نہیں تھی بات فرعون کی کچھ نیک ڈھنگ کی، آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن، پھر پہنچا دے گا ان کو آگ پر، برا گھاٹ ہے، جس پر پہنچے، پیچھے سے ملتی رہی اس دنیا میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا انعام ہے جو ملا۔

ممالک اسلامیہ میں دور ''جاہلیت'' کا اعزاز:

لیکن بہت سے اسلامی ملکوں اور مسلمان قوموں کا حال اس وقت یہ ہے کہ وہ صرف مغربی فلسفوں اور اہل مغرب کی طرز فکر سے مرعوبیت کے ماتحت اپنے قبل اسلام کے عہد اور اس عہد کی تہذیب ورسوم کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ ان میں اس عہد سے دلی لگاؤ سا پیدا ہوتا جا رہا ہے، ان میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ اس عہد کے شعائر کو زندہ کریں، اور اس کے مشاہیر، بادشاہوں اور ناموروں کو تاریخ کی زندہ جاوید ہستیوں میں جگہ دلا دیں، گویا یہ ان کا کوئی زریں دور تھا، اور کوئی نعمت تھی، جو اسلام نے ان سے چھین لی.... العیاذ باللہ! یہ کیسی کھلی ناشکری اور اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی کیسی ناقدری ہے....! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کفر و بت پرستی کی شناعت (ناگواری) دلوں سے نکل گئی ہے، اور جاہلی خرافات سے کوئی نفرت باقی نہیں رہ گئی ہے.... اور یہ وہ باتیں ہیں کہ ایک باشعور مسلمان کے متعلق ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ان پر تو ایمان اگر سلب ہو جائے، اسلام کی دولت سے محروم کر دیا جائے اور اللہ کی رحمت کے بجائے اس کا عتاب سامنے آ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں.... قرآن نے آگاہ کیا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ

ترجمہ: اور مت میلان رکھو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم (شرک) کیا، ورنہ کہیں تم کو بھی آگ نہ پکڑ لے اور نہ نکلے اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی مددگار، پھر نہ ہو سکے تمہاری کوئی مدد۔ (ھود: ۱۱۳)

دینی واخلاقی انتشار:

ان قوم پرستانہ رجحانات کے علاوہ ایک اور فتنہ بھی ہے، جس سے آج عالم اسلام دوچار ہے، اور وہ ہے اونچے طبقوں میں آنکھیں بند کر کے مادیات کے پیچھے دوڑنے کا رجحان کہ ہر عقیدہ اور ہر قدر اس پر قربان، دوسرے الفاظ میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا رجحان، دنیاوی زندگی پر فریفتگی اور نفس پرستی کا رجحان، اور پھر اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوا کرتا ہے، یعنی اخلاقی بے راہ روی، محرمات الٰہیہ (اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں) کا استخفاف (ہلکا یا کم سمجھنا)، فسق وشراب کا شیوہ وعموم، اور اسلامی فرائض و قیود سے اس طرح کلی آزادی، جیسے اس طبقہ کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں، یا اسلامی شریعت منسوخ ہو چکی ہے.... اور وہ کوئی داستانِ پارینہ اور قصہ وافسانہ ہے۔ دنیائے اسلام کے تمام ملکوں کے اونچے طبقے کے افراد میں بہت بڑی تعداد آپ کو اسی رنگ اور اسی مسلک کی ملے گی..... گویا ایک ہی تصویر ہے جس کی مختلف کاپیاں کر دی گئی ہیں۔

عالم اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ:

یہ ہے اجمال کے پیرائے میں (In brief) آج کے عالم اسلامی کی دینی اور اعتقادی تصویر!

اس تصویر میں جو کچھ نظر آتا ہے، میرے نزدیک یہ جاہلیت کی ایک موج ہے جو اسلام کا سارا سرمایہ بہالے جارہی ہے، دنیائے اسلام کو اپنی پوری تاریخ میں اس سے زیادہ سرکش موج سے سابقہ نہیں پڑا ہے، نہ اس جیسی طاقت ور مخالف موج کا سامنا عالم اسلام کو کبھی ہوا ہے، اور نہ اس جیسی ہمہ گیر موج کا، اور پھر اس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کی ہلاکت خیزیوں پر چونکنے والے کم، اور وہ تو کم سے بھی کمتر ہیں جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ اور اپنی ساری قوتوں کا سرمایہ لے کر اس کے مقابلہ پر ڈٹ گئے ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں یونانی فلسفے کے اثر سے جونہی الحاد وزندقہ پھیلنا شروع ہوا فوراً ایسی ہستیاں سامنے آ کھڑی ہوئیں، جنھوں نے اپنے علمی تبحر (علمی گہرائی)، عظیم عقلیت (Wisdom)، نادرۂ روزگار

ذکاوت (Geniousty) اور قومی شخصیت کے سارے ہتھیاروں سے اس کے خلاف جنگ کی۔ ایسے ہی باطنیت اور ملاحدہ کی جماعت کا ظہور ہوا تو اس کے مقابلے میں بھی علم وحکمت ودلیل وبرہان کی تلواریں لے کر اسلام کے سرفروش میدان میں آکودے۔ چنانچہ اسلام ان بروقت نصرتوں کی بناء پر علمی وعقلی اعتبار سے ایسی مضبوط پوزیشن میں رہا کہ مخالفت کی موجیں اٹھتیں اور سرٹکرا کر واپس چلی جاتیں، سیلاب کے ریلے آتے اور بے اثر ہوکر گزر جاتے۔

اولین مسئلہ:

عالم اسلام کا وہ مسئلہ جو طوفان بن کر کھڑا ہوا ہے، اور جس کا رخ براہ راست دین کی طرف ہے، کفر وایمان کا یہی مسئلہ ہے، سوال یہ ہے کہ اسلامی دنیا اسلام پر قائم رہے گی یا اس کا قلادہ (رسی) اپنی گردن سے اتار دے گی؟..... اسلامی دنیا میں آج ایک معرکہ برپا ہے، جس میں ایک طرف مغرب کا فلسفۂ لادینیت ہے، دوسری طرف اسلام.... خدا کا آخری پیغام!.... ایک طرف مادیت ہے، اور دوسری طرف آسمانی شریعت! میں سمجھتا ہوں کہ یہ دین اور لادینیت کا آخری معرکہ ہے، اور اس کے بعد دنیا دونوں میں سے کسی ایک رخ کو اختیار کرلے گی۔　　(جاری ہے)

قبر پر تعمیر بنانے کی ممانعت اور روضہ اقدس ﷺ کا حکم

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ استفتاء آیا تھا، اس میں سوال تھا کہ حضور ﷺ کے روضہ مبارک کو شہید کرنا واجب ہے یا باقی رکھنا چاہئے؟ میں سخت پریشان ہوا۔ ضابطہ کا جواب تو یہی تھا کہ مقابر سب ایک۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور دل میں ایک فرق ڈال دیا۔ اس فرق کی بناء پر میں نے جواب لکھا کہ نصوص میں ممانعت بناء علی القبر (پہلے قبر بنا کر اس پر تعمیر بنانے) کی ہے۔ قبر فی البناء (تعمیر کے اندر قبر بنانے) کی ممانعت نہیں۔ اور روضہ مبارک مفہوم ثانی کا مصداق ہے نہ کہ مفہوم اول کا (یعنی تعمیر پہلے سے تھی، جس میں آپ کو دفن کیا گیا)۔ پھر حضرات صحابہؓ وتابعینؒ نے اس کو بلانکیر باقی ومحفوظ رکھا، لہٰذا اس کا انہدام واجب کیا جائز بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ بناء حضور ﷺ کی قبر شریف کی وجہ سے نہیں بنائی گئی بلکہ خود حضور ﷺ کی بناءِ سابق میں تدفین کی گئی۔ پھر صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ نے برابر اس کی حفاظت کی۔ (ملفوظات حکیم الامت، جلد ۵)

سیدی ومرشدی حضرت مولانا مفتی محمد فرید صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سیاسی پہلو

(جناب گوہر رحمان نقشبندی فریدی صاحب ''فقیر باباجی'' ایڈووکیٹ)

محدث کبیر فقیہ العصر مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد فرید صدیقی زروبوی نوّر اللہ مرقدہٗ ضلع صوابی میں واقع ایک قدیم گاؤں زروبی کے ایک علمی خاندان میں بروز جمعہ یوم عید الفطر بوقت طلوع فجر یکم شوال ۱۳۴۴ھ بمطابق اپریل ۱۹۲۶ء پیدا ہوئے۔

آپ رحمہٗ اللہ کی ذات بابرکات بوجہ علم، تقویٰ اور دقیق فہم و جامعیت کے علماء اور صلحاء کے زمرے میں یکساں طور مشہور ہے۔ آپؒ نسلاً افغان اور پٹھان تھے۔ آپؒ کی بابرکت زندگی نہ صرف علمی درس وتدریس اور افتاء تک محدود رہی بلکہ احسان وسلوک جیسے مبارک اور نازک آبگینہ کے ساتھ کھیلتے ہوئے ہزاروں پتھروں کو دُرِ بیش بہا بنادیا، اپنے خلفاء کو خلعت فاخرہ پہناتے ہوئے مسند دعوت و ارشاد پر بٹھا کر دین حنیف کی بدعت بیزار خدمت عظیم پر مامور کیا۔

آپؒ نے اگرچہ علمی، تدریسی اور تربیتی مصروفیات کی بناء پر عملی سیاست میں حصہ نہیں لیا، لیکن بایں ہمہ آپؒ کی زندگی میں سیاسی رنگ بھی شامل رہا۔ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سیاسی جماعتوں میں سے کسی سیاسی جماعت کے باقاعدہ رکن یا ممبر نہیں رہے۔ آپؒ نہ کسی سیاسی جماعت کے اجلاسوں، جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں میں شرکت کرتے نہ کوئی مہم چلاتے، البتہ انتخابات کے موقع پر اپنے متعلقین اور متوسلین کو جمعیت علماء اسلام کے امیدواروں کے حق میں ووٹ استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے۔

احقر پر بھی شاید اپنے مرشد کبیر حضرت مفتی صاحب رحمہٗ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ رنگ غالب ہے کہ ۱۹۷۱ء کے انتخابات میں عالم شباب اور جوانی کا زمانہ تھا تو حضرات مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبداللہ درخواستی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کے شانہ بشانہ ان کی سیاسی جدوجہد میں

شامل رہا لیکن ازاں بعد طبیعت مکدر ہونے لگی اور ذہن پر یاسیت چھانے لگی اس لئے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور ضیغمِ اسلام مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے درمیان جب اختلافات پیدا ہوئے تو حضرت مولانا مفتی محمد فرید نور اللہ مرقدہٗ ان دونوں کے اختلافات سے دل شکستہ رہتے اور فرماتے:

''ایسا لگتا ہے کہ پاکستان کے لوگوں کے نصیب میں اسلامی نظام کا نفاذ نہیں، اس لئے ان دونوں اکابر کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔''

آپؒ مدنی سیاست کے قائل تھے، اسلئے جمعیت علماء اسلام کے لئے ہمیشہ دعا گو رہے۔ سیاست میں کسی بھی شخص کے عہدہ، رتبہ اور حکومتی اقتدار کی طاقت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ہمیشہ حق بات کرتے۔ ضیاء الحق مرحوم کی خواہش پر پشاور میں علماء اور مفتیین کا ایک اجلاس منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس میں مرحوم جنرل صاحب نے اہل مدارس کو مشورہ دیا کہ دینی مدارس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی شامل کر دیئے جائیں تاکہ فراغت کے بعد فضلاء کو روزگار کے مواقع میسر ہوں اور وہ معاشی پریشانی کے شکار نہ ہوں۔ اس بھرے مجمع میں حضرت مفتی صاحبؒ نے ضیاء الحق کو مخاطب کر کے فرمایا: ''صدر صاحب! پہلے آپ ایسا کوئی جامعہ بنا دیں جس میں مخلوط نصاب تعلیم ہو، اگر آپ کا جامعہ کامیاب ہوا تو تب ہم آپ کے مشورے پر عمل کریں گے۔''

حضرت مفتی صاحبؒ اور آپ کے شیخ و مرشد حضرت خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ دونوں جمعیت علماء اسلام کی تائید و حمایت کرنے والے تھے۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے موقع پر حضرت خانیوال صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ ووٹ کس کو دیں؟ تو حضرت خانیوال صاحبؒ نے فرمایا: ''ہزاروی گروپ کو ووٹ دے دیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ ملکی سیاست میں علماء کرام اور صالحین کی شرکت و کردار کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور فرماتے تھے: ''اگر نیک اور صالح لوگ سیاست میں حصہ لینے سے کنارہ کش ہو جائیں تو لازمی طور میدانِ سیاست پر فاسق اور بے دین لوگ قابض ہونگے اور وہ اسلام مخالف عزائم اور مقاصد

پورے کریں گے۔"

درس و تدریس، تعلیم و تعلم، فقہی مسائل، حدیث اور افتاء جیسے اہم مناصب کی طرح سیاست میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ شف شف کے عادی نہ تھے بلکہ بلا خوف لوم ولائم اور منصب وجلالت حق بات کہنے اور لکھنے کا مزاج رکھتے تھے۔ جمعیت علماء اسلام کے منشور میں تحدید ملکیت کا مسئلہ آیا تو سیدی و سندیؒ نے اس پر ردو تنقید لکھ کر ماہنامہ "الحق" جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک میں شائع کروایا۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اس وقت بقید حیات تھے اور اس ردو تنقید پر آپ سیدی وسندی حضرت مفتی صاحبؒ سے کچھ ناراض بھی ہو گئے تھے، مگر اس ناراضگی کی آپؒ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اسی واقعہ کے حوالے سے سیدی وسندی حضرت مفتی فرید صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک دن مفتی محمود صاحبؒ دار العلوم حقانیہ آئے۔ موٹر سے اترتے ہی مولانا سمیع الحق صاحب نے میرا نام لیکر کہا کہ یہ دار العلوم حقانیہ کے مفتی صاحب ہیں۔ مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے کہا کہ انہوں نے تو ہمارے منشور کے خلاف مضمون لکھا ہے، اور پھر کہا کہ اس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں گے۔ میں نے کہا کہ اگر ہم اپنوں پر رد نہیں کرینگے تو پرایوں پر کس طرح کرینگے؟ جس پر مفتی محمود صاحبؒ نے کہا کہ آپ نے تو اپنے مضمون میں ٹھوس دلائل پیش نہیں کئے۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن مولانا سمیع الحق صاحب نے ان سے کہا کہ اگر مفتی صاحب کے دلائل ٹھوس نہیں تو آپ ٹھوس دلائل سے ان کے مضمون کا جواب لکھیں، ہم اس کو بھی "الحق" میں شائع کریں گے۔ اس بات پر مولانا مفتی محمود صاحبؒ خاموش ہو گئے اور کسی قسم کا جواب نہیں دیا۔"

سیدی وسندی حضرت مفتی فرید صاحبؒ نے سیاست کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "سیاست لغت میں پاس داشتن ملك و حكم دادن بر رعيت یعنی "تدبر اور حکومت" اور اس میں کوئی خاص اصطلاح نہیں ہے۔ البتہ موجودہ لوگوں کی اصطلاح میں سیاست اپنے آپ کو نیک نام کرنا اور اٹھانا، اور مقابل کو بدنام کرنا اگرچہ جھوٹ اور فریب سے ہو، اور اگرچہ مقابل حق بجانب ہو۔ سیاست اور اسلام میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ "سیاست شرعیہ" اسلام کا حصہ ہے۔"

کسی کو ووٹ دینے کے بارے میں فرمایا کہ:

’’کسی کو ووٹ دینے کا مطلب اس پر اظہارِ اعتماد ہے، اور حکومت یا پبلک کو اس کی اہلیت کی شفاعت اور سفارش کرنا ہے۔ پس جو شخص ایسی پارٹی کو ووٹ دے جو شرعی قانون نہیں چاہتی تو یہ شخص غدار اور خائن ہے۔‘‘ کسی کے ووٹ بیچنے کے متعلق فرماتے: ’’ووٹ نام ہے شفاعت اور شہادت کا، اور ان میں سے کسی ایک پر معاوضہ لینا جائز نہیں۔‘‘

بس اپنے شیخ و مرشد برد اللہ مرجعہٗ کے متعلق اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے اس وطن عزیز میں قانون شریعت قرآن وسنت کا عملی نفاذ ہو جائے اور صلحاء، اتقیاء، علماء برسر اقتدار آئیں اور خلفائے راشدین کی یادیں تازہ ہو جائیں۔

اسلامائزیشن، جذبۂ حب الوطنی اور پاکستان کی بقاء

پاکستان میں اسلام کے فروغ کا نصب العین فقط ہمارے مفاد ہی میں نہیں، بلکہ افغانستان اور سنٹرل ایشیا کے لئے بھی کام آ سکتا ہے لیکن Islamization کے پردے میں Cosmetic Islam کا ڈھونگ رچانا منافقت کی دھول اُڑانے کے علاوہ کوئی مقصد پورا نہیں کر سکتا۔ ہمیں اسلام کے بنیادی اور حقیقی اصلِ اصول (Fundamentalism) کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر امورِ ریاست میں اسلام کے نام پر سب کچھ کارِ بے بنیاد ہے۔

ہمیں حب الوطنی کا جذبہ نہیں جنون درکار ہے۔ جذبہ تو محض ایک حنوط شدہ لاش کی مانند دل کے تابوت میں منجمد رہ سکتا ہے۔ جنون جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت سے خون گرماتا ہے۔ اسی میں پاکستان کی سلامتی اور مستقبل کا راز پوشیدہ ہے۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر — شریکِ زُمرہ لَا یَحزَنُون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں — میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر (اقبالؔ)

(شہاب نامہ، قدرت اللہ شہاب، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص:1159)

(قسط:۲)

سنہری باتیں

ملفوظات حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم جمع کردہ علامہ محمد طفیل صاحب

(مرتب: صلاح الدین ایوبی، جماعت ہشتم، کوہاٹ)

مفتی کہلانے کا مستحق کون؟

ارشاد فرمایا: مفتی کہلانے کا مستحق وہ ہے جو فقہ اسلامی پر مکمل عبور رکھتا ہو، نور الایضاح، منیۃ المصلی سے لے کر ہدایہ تک اور اصول الشاشی سے لے کر توضیح تلویح تک کتابیں بارہا پڑھا چکا ہو اور دس سال تک بخاری شریف کا درس دے چکا ہو۔ مفتی جمیل احمد تھانویؒ فرماتے تھے کہ بیس سال تک حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نگرانی میں فتویٰ دینے کے باوجود میں براہِ راست بعض مسائل کا فتویٰ ہدایہ کی عبارت سے نہیں نکال سکتا تھا جبکہ حضرت تھانویؒ نکال دیتے تھے۔ تو بھئی اس کے لئے رسوخ فی العلم چاہئے۔

اصل توحید

ارشاد فرمایا: توحید کی کتابی تفصیلات و اقسام تو ازبر ہوتی ہیں کہ توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی... لیکن ایک توحید بیان کرنا ہے، لکھنا ہے، پڑھنا ہے... اور ایک توحید برتنا ہے... اصل توحید یہ ہے کہ انسان توحید برتے.... چاہے اسے توحید کی اقسام و تفصیلات کا بالکل ہی علم نہ ہو، جب وہ توحید برتنے میں کامیاب ہوا تو وہی اصل توحید ہے۔ توحید جتنی پکی ہوگی اخلاص اتنا زیادہ ہوگا۔ توحید کا برتنا تو موقع پر نیکی کو حاصل کرنے اور برائی سے بچنے کے لئے جتنی مشکلات اور خطرات سامنے آرہے ہوں، اللہ کی ذات پر بھروسہ اور اعتماد کر کے کمر باندھ کر ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جانا اور عمل کر کے نتائج تک پہنچنا... یہ ہے توحید کا برتنا۔

اَجۡمِلُوۡا فِی الطَّلَبۡ کے معنیٰ

ارشاد فرمایا: اَجۡمِلُوۡا فِی الطَّلَبۡ کے دو معانی ہیں:

(۱) تلاش رزق کے لئے اچھا طریقہ اختیار کریں، یعنی کمائی میں جھوٹ، دھوکہ، خیانت وغیرہ سے بچیں۔

(۲) روزی کی طلب میں اجمال اختیار کریں۔ یعنی قناعت کا مظاہرہ کریں، بقدر ضرورت طلب رکھیں۔ زیادہ لالچ میں نہ پڑیں کہ بس اوڑھنا بچھوڑنا ہی طلب رزق بن جائے۔

رزق حلال کا اہتمام فرض ہے

ارشاد فرمایا: اللہ رب العزت انسان کا رزق لکھ چکے، جتنا مقدر ہو گا ضرور ملے گا۔ رفعت الاقلام و جفت الصحف.... قلم اٹھا لئے گئے اور دفتر خشک ہو گئے۔

الا ان النفس لن تموت حتٰی تستکمل رزقھا (مصنف ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: خبردار! بے شک کسی جان کو ہرگز موت نہیں آسکتی یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے۔

جو لکھا جا چکا وہ دوڑ کر تیرے پاس آئے گا، تیری آزمائش ہے کہ حلال طریقے سے لیتا ہے یا حرام سے، عزت سے لیتا ہے یا بے عزتی سے۔ اللہ تعالیٰ لکھ کر فارغ ہو گئے۔

رزق حلال کے حصول میں آزمائشیں آتی ہیں

ارشاد فرمایا: رزق حلال کے حصول میں آزمائشیں آتی ہیں، جب بندہ اس پر پورا اترتا ہے تو اللہ تعالیٰ برکت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک مقروض کے پاس سود کی وصولی کے لئے گئے، اس کے پاس پیسے نہ پائے تو اس کے گھر سے لکڑی اٹھالی، دوسرے کے ہاں گئے، وہاں بھی رقم نہ پائی تو آٹا اٹھالیا، اسی طرح تیسرے کے ہاں سے بکری کی سری اٹھالی۔ گھر آکر بیوی کو پکانے کے لئے دیا۔ بیوی نے پکایا تو سالن سارا کا سارا خون تھا، اس نے عار دلائی کہ ظالم یہ تیری کمائی ہے؟ یہ بڑے نادم ہوئے اور وہاں سے اٹھ کر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں چلے آئے۔ راستے میں بچوں نے دیکھا تو تالیاں پیٹیں: وہ دیکھو حبیب سود خور آرہا ہے! وہ دیکھو حبیب سود خور آرہا ہے! یہ ندامت سے پانی پانی ہو گئے، مجلس میں بھی لوگوں کو حیرت ہوئی کہ یہ مجلس میں کیسے چلا آیا۔ بس! سچے دل سے توبہ کرلی، جن لوگوں کے ذمے سود تھا، سارا معاف کر دیا۔ واپسی پر

راستے میں انہی بچوں پر گزر رہوا تو وہ کھیل ختم کر کے صف بستہ کھڑے ہوئے کہ ٹھہرو! حضرت حبیب تشریف لا رہے ہیں، کہیں گرد آلود نہ ہو جائیں۔ یہ تھی ایک مجلس سے رونما ہونے والی تبدیلی۔

اب جو گھر آ کر پہلے دن مزدوری کے لئے نکلے تو مزدوری ہی نہ ملی۔ کوئی فن وغیرہ آتا نہ تھا، مزدوری سے قطعی نابلد تھے۔ لہٰذا نوافل میں مشغول ہو گئے اور دن عبادت میں کٹ گیا، گھر آئے، بیوی کے استفسار پر کہا کہ جس کے ہاں کام کیا وہ تیسرے دن مزدوری دیتا ہے، دوسرے دن پھر یہی ماجرا ہوا تیسرے دن بھی یہی حالت رہی۔ جب گھر آئے تو یہ فکر دامن گیر تھی کہ بیوی کو کیا جواب دیں گے لیکن آتے ہی بیوی بولی، تیرا مالک تو بہت اچھا آدمی ہے، گھر آ کر آٹا، بکری اور پیسے چھوڑ گیا اور کہا کہ حبیب سے کہو مزدوری میں مزید محنت کرے تو ہم بڑھ کر معاوضہ دیں گے۔ واہ! سبحان اللہ۔ اس کے بعد سے کبھی تنگی کا منہ نہ دیکھا۔

غلبۂ حال والے پر پکڑ نہیں

ارشاد فرمایا: حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سارے دانت صرف اس لئے اکھاڑ دیئے کہ جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ چونکہ انہیں ان دانتوں کا متعین علم نہ تھا اس لئے ایک ایک دانت نکالتے گئے کہ کسی کا بھی احتمال ہو سکتا ہے، صرف اپنے پیارے نبی ﷺ کی مشابہت حاصل کرنے کے لئے۔ یہاں فقہاء کرام تو یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ اپنے کسی عضو کو تلف کرنا حرام ہے، لیکن صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اویس قرنیؒ کا فعل غلبۂ حال کی وجہ سے تھا اور مغلوب الحال پر کوئی پکڑ نہیں۔ (حضرت اویس قرنیؒ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو دورِ نبوت پانے کے باوجود اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے مقام صحابیت نہ پا سکے، لیکن حضور اکرم ﷺ نے انہیں اپنا کرتہ مبارک ہدیہ میں بھیجا اور انہیں امت کی مغفرت کے لئے دعا کا پیغام ارسال فرمایا)

خواتین کے لئے اصل

ارشاد فرمایا: خواتین کے لئے اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ گھر میں شوہر، بھائی، باپ، بیٹے سے دین سیکھیں۔ نہ ان کا اجتماع کروایا جائے، نہ مدرسہ قائم کیا جائے، نہ جماعت میں نکالا جائے۔ یہ سارے کام جائز تو

ہوجاتے ہیں لیکن افضل نہیں ہیں۔

مال نہیں برکت مانگیں

ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے برکت کا سوال کریں۔ مال تو آنے جانے والی چیز ہے، برکت نصیب ہوگئی تو وہ روزی تیری پشتیں کھائیں گی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جن دو یتیم بچوں کے خزانے کو محفوظ بنانے کے لئے دیوار بنائی اس کی وجہ قرآن نے بتائی کہ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (کھف: ۸۲) کہ ان کے ''ابا'' نیک انسان تھے، یہاں ''ابو'' سے مراد ساتویں پشت اوپر گزرا ہوا ایک ولی تھا جس کی برکت سے یہ بچے مستفید ہورہے تھے۔

ایک تنگدست فقیر کے ہاں فاقے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ فلاں جگہ ۱۰۰ اشرفیاں دفن ہیں، نکال لو۔ فقیر نے پوچھا: بابرکت ہیں؟ جواب نفی میں ملا۔ صبح بیوی سے ذکر کیا کہ یوں خواب دیکھا لیکن برکت نہ ہونے پر میں نے چھوڑ دیں، بیوی نے کہا: عجیب آدمی ہے! ہمارے ہاں فاقوں پر فاقے ہیں اور اس صاحب کو برکت کی پڑی ہے۔ دوسرے دن خواب میں ۱۰ مدفون اشرفیوں کا مژدہ پایا لیکن انہیں بھی بے برکت بتایا گیا۔ فقیر نے وہ بھی چھوڑ دیں۔ صبح بیوی سے تذکرہ کیا تو وہ حسب سابق سیخ پا ہوگئی۔ اگلے دن پھر خواب دیکھا کہ فلاں مقام پر ایک اشرفی دفن ہے، نکال لو۔ فقیر نے پوچھا: بابرکت ہے؟ جواب ملا کہ ہاں۔ صبح بیوی سے تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ ایک اشرفی کی کیا برکت ہوگی!

یہ فقیر گئے، وہ اشرفی نکالی اور بازار سے مچھلی خرید لائے۔ گھر آکر بیوی سے پکانے کو کہا۔ وہ غصہ سے بھری بیٹھی تھی کہ لو بھئی! بڑا کمال کیا برکت والی اشرفی نے، ایک مچھلی اٹھا لائے۔ خود چیرو، کاٹو اور پکاؤ۔ میں تو اس کام سے رہی۔ بہرحال فقیر نے مچھلی کاٹی تو دیکھا کہ اندر سے دو چمکتے موتی نکلے۔ یہ صاحب صرافوں کے پاس گئے اور موتی دکھائے لیکن کوئی بھی ان کی قیمت نہ دے سکا۔ آخر بڑے صراف نے کہا کہ اس کی قیمت بادشاہ ہی دے سکتا ہے۔ یہ بادشاہ کے پاس گئے اس نے جب موتی دیکھے تو اس نے دس خچر سونا لاد کر دیا۔ یوں اس ایک اشرفی کی برکت نے فقیر کی ساری تنگدستی ایسی دور کی کہ اسے امراء کی صف میں لا کھڑا کیا۔

نورِ بصیرت

ارشاد فرمایا: جو شخص حرام، مکروہ اور مشتبہ روزی سے بچتا ہے، اللہ تعالی اسے نورِ بصیرت عطا فرماتے ہیں، جس سے وہ اشیاء کی حقیقت پہچان لیتا ہے۔ مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک آدمی کسی آیت کی تفسیر سمجھنا چاہ رہے تھے لیکن باوجود حضرتؒ کے بسیار سمجھانے کے وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ حضرت خیال محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے بات کی اجازت چاہی اور فرمایا: ''ارے بھئی! تیرے اندر تو شراب کا گند پڑا ہوا ہے، جب تک اندر سے وہ گند دور نہیں کرے گا، تجھے تفسیر سمجھ آ ہی نہیں سکتی۔'' یہ ہے نورِ بصیرت کہ ان دنیاوی آنکھوں سے معنوی صفات کے حسن و غلاظت کا محسوس مشاہدہ فرماتے۔ یہ چیز حلال روزی کے اہتمام اور حرام، مکروہ، مشتبہ سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے۔

رزقِ حرام بالآخر ڈبو دیتا ہے

ارشاد فرمایا: حرام کمائی میں بڑا نفع دکھائی دیتا ہے، بڑی دولت ہاتھ آ رہی ہوتی ہے لیکن کمانے والا اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ یہی چیز باعث غرقاب ہے۔

ایک تکوینی بزرگ کے پاس گوالا آیا کہ میرا بھائی دودھ میں پانی ڈالتا ہے اور خوب کماتا ہے جبکہ میں نہیں ڈالتا، لیکن لوگوں کو اعتماد ہی نہیں کہ میرے ہاں خالص دودھ ملتا ہے (کیونکہ جب ملاوٹ عام ہو جاتی ہے تو خالص کا اعتماد ہی نہیں رہتا) اس لئے مجھے منافع نہیں ہوتا۔ بزرگ نے فرمایا: ''آپ بھی ڈالیں لیکن ایک گڑھا بنا لیں، جتنا پانی روزانہ دودھ میں ڈالا کریں اتنا گڑھے میں بھی ڈال لیا کریں۔'' وہ ایسا کرنے لگا۔ کچھ عرصے میں خوب کما کر بزرگ کے ہاں حاضر ہوا اور کہا: حضرت کاروبار خوب چل رہا ہے، خوب منافع مل رہا ہے۔ بزرگ نے فرمایا: ''گڑھے میں اتنا پانی جمع ہو گیا ہے کہ بندہ ڈوب جائے؟'' کہا: اس کے قریب ہے۔ فرمایا: ''بس تو بھی ڈوبنے کے قریب ہے۔'' یہ سنا تو تنبیہ ہوئی اور آنکھیں کھل گئیں کہ یہ منافع تو مجھے ڈبو رہا ہے۔ فوراً سب حرام کاری ختم کی اور صاف شفاف کام شروع کیا۔ تو بھئی! حرام بظاہر کثرت میں نظر آتا ہے، لیکن یہی کثرت بالآخر ڈبو دیتی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت کا وبال تو یقینی ہے۔

(جاری ہے)

باتیں ڈاکٹر حامد حبیب صاحب کی

(ڈاکٹر سید حامد حبیب، ایم بی بی ایس، پی ایچ ڈی (گلاسگو)، اسسٹنٹ پروفیسر خیبر میڈیکل یونیورسٹی، پشاور)

برطانیہ سے واپسی کے بعد یونیورسٹی میں اور دوسری تقریبات کے موقعوں پر یہ بات بار بار مشاہدہ میں آئی کہ آجکل تصویر کشی کا بہت زیادہ رجحان ہوگیا ہے۔ خاص کر یونیورسٹی میں دیکھا ہے کہ اگر کوئی چھوٹا سا سیمینار یا لیکچر ہے، یا اگر کوئی باہر سے معائنہ کیلئے بھی آیا ہے، تو جلدی سے کیمرہ مین کو بلا کر تصویریں لی جارہی ہیں اور اگر کیمرہ نہ بھی ہو تو کیمرے والا موبائل تو کہیں گیا ہی نہیں۔ اور اس عمل میں ہمارے حضرات جو دین کے ساتھ وابستہ ہیں وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں اور کئی چار چار مہینے والے ساتھیوں کو بھی دیکھا ہے کہ اس طرح تصویر کشی کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

اپنے برطانیہ کے قیام کے دوران میں نے ایک بات انگریزوں میں دیکھی کہ جس طرح ہم لوگ تصویر کشی کو ہر تقریب کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اس طرح، اور پھر خاص کر تعلیمی اداروں میں بالکل نہیں دیکھا۔ میں یونیورسٹی میں جس جگہ کام کر رہا تھا وہاں کئی چھوٹی بڑی تقاریب منعقد ہوئیں لیکن میں نے ان میں کبھی نہیں دیکھا کہ اس طرح ہر تقریر یا ہر پریزینٹیشن کی تصویریں بنائی جارہی ہوں۔ میں نے اپنے سپروائزر اور دوسرے گروپ والے لوگوں کو جو کہ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں تھے، کبھی کسی تقریب کے موقع پر یا آخر میں مل کر تصویریں (Group Photo) لیتے ہوئے نہیں دیکھا، جس طرح سے ہم لوگوں نے اس کو ضروری سمجھا ہوا ہے اور اس کی پابندی کر رہے ہیں۔ انگریز جنھوں نے یہ چیزیں ایجاد کی ہیں خود اس طرح کی پابندی نہیں کر رہے۔

اسی طرح ایک اور چیز یاد آئی کہ یہاں اپنے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ باریش شخصیت، پوری ڈاڑھی اور ساتھ میں کوٹ پینٹ اور ٹائی لگائے ہوئے اور اسی انداز میں روزانہ ان کا دفتر آنا جانا۔ ایک اور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ بھی باریش اور ساتھ میں کوٹ پینٹ، اگرچہ ٹائی کے بغیر۔ ان سے مناسبت تھی تو پوچھا کہ آپ کیوں اس کا اتنا اہتمام کرتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ یہ

ادارے کی طرف سے پابندی ہے کہ پینٹ شرٹ میں آنا ہے۔اس کے علاوہ بھی کئی لوگوں کو دیکھا کہ پینٹ شرٹ اور ٹائی کی پوری پابندی کر رہے ہوتے ہیں۔ان کو دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ اس طرح کی پابندی تو میں نے برطانیہ میں نہیں دیکھی جس طرح ہمارے لوگ کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے پی ایچ ڈی کے چار سالوں کے دوران اپنے انگریز سپروائزر کو صرف ایک مرتبہ سوٹ اور ٹائی میں دیکھا، وہ بھی پوچھنے پر پتہ چلا کہ اس دن اپنی بیٹی کے کانووکیشن کے لئے اس نے پہنا تھا۔اس کے علاوہ جب بھی اس کو دیکھا تو وہی دو تین ٹی شرٹیں تھیں جو وہ پہن کر آتا تھا۔اس کے دفتر میں ایک ہرے رنگ کی شرٹ لٹکی رہتی تھی۔ جب کبھی کوئی میٹنگ یا سیمینار ہوتا تو دروازہ بند کر کے شرٹ بدل کر چلا جاتا۔اسی طرح ایک کالے رنگ کی پینٹ بھی لٹکی ہوتی تھی اور باہر جانے کے لئے ایک جیکٹ ہوتی تھی۔کسی بھی تقریب کے لئے کبھی کوئی ٹائی کوٹ وغیرہ نہیں دیکھا۔اسی طرح ہمارے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ایک دوسرا انگریز پروفیسر جو ہمارے انسٹیٹیوٹ کے اکیڈیمکس کا سربراہ بھی تھا اس کو میں نے اپنے چار سالہ قیام میں جب بھی دیکھا تو ایک کالے رنگ کی پینٹ اور ہائی نیک (جرسی) پہنے ہوئے دیکھا۔

ہم شلوار قمیص پہن کر ڈیپارٹمنٹ جاتے تھے۔اس پر ان لوگوں نے پابندی نہیں لگائی اور ہمارے لوگ یہاں پر اپنی اقدار کو بھلا کر دوسروں کی تقلید کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے ایک پاکستانی ڈاکٹر صاحب جو تقریباً بیس پچیس سال سے وہاں پر مقیم ہیں اور ای این ٹی کے سپیشلسٹ ہیں اور یونیورسٹی میں بھی پڑھاتے ہیں، باریش شخصیت اور وہاں کے تبلیغی مرکز کے اراکین میں بھی ہیں، وہ کئی سال سے شلوار قمیص میں ڈیوٹی کے لئے جاتے ہیں اور آج تک ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا جبکہ یہاں ہم اپنے اداروں میں اس پر پابندی لگا رہے ہیں۔اس پر ایک نومسلم انگریز کی بات یاد آئی کہ ہم لوگ اس چیز کو چاٹ رہے ہیں جس کو یورپ اور انگریز تھوک چکے ہیں۔ دنیا کے ان سب مزوں کو مغرب والے چھوڑ رہے ہیں جب کہ ہم ان کو اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہمارے ہاں کا یہ حال ہے کہ ڈاکٹر اسماعیل آر ایم آئی میں میڈیکل آفیسر تھا، رات کی ڈیوٹی کی، صبح سویرے ادارے کا سربراہ آگیا اور ڈاکٹر صاحب کو شلوار قمیص کی وجہ سے (باقی اگلے صفحے پر)

غیرت

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

اخبارات اور میڈیا میں عموماً غیرت کے نام پر قتل کے عنوانات سے بیانات آتے رہتے ہیں۔ حیرت ہے کہ علماء بھی یہی اصطلاح استعمال کرتے ہیں جس سے یہ تأثر ملتا ہے کہ نعوذ باللہ غیرت کوئی ایسی وحشیانہ خصلت ہے کہ اس کے تحت قتل و غارت گری وجود میں آرہی ہے۔ حالانکہ غیرت تو ایسی صفت ہے جو اجزائے ایمانی میں شمار ہوتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اعمالِ ایمانی ہیں جبکہ حیاء، صدق، امانت اور غیرت اعمالِ ایمانی نہیں بلکہ اجزائے ایمانی ہیں۔ جن قتلوں کو غیرت کے نام پر قتل کہا جاتا ہے وہ غیرت کے قتل نہیں ہیں بلکہ جہالت کے قتل ہیں۔ اس لئے بندہ سب اہلِ علم کی خدمت میں عرض کناں ہے کہ "غیرت کے نام پر قتل" کی اصطلاح کو تبدیل کیا جائے۔ علماء تو کم از کم احتیاط برتیں۔ واضح شرعی اصطلاح جو نصوص سے ثابت ہے اس کا ایسا حشر نہ کریں۔ دشمن کی تو کوشش ہی یہی ہے کہ ہم سے غیرت نکال دے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس نے ہمیں زندہ رکھا ہوا ہے۔ بے غیرت انسان کوئی قابلِ ذکر کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتا۔

(صفحہ ۳۳ سے آگے) بے عزت کیا اور کہا کہ کمپاؤنڈروں کی طرح وارڈ میں آکر بیٹھ جاتے ہو۔ اسماعیل نے کہا کہ ازراہ شرافت میں خاموش رہا لیکن اس آدمی کی بے عزتی نے اتنی غیرت دلائی کہ میں نے ادارہ چھوڑا، محنت کی، ایف سی پی ایس کیا اور آج گومل میڈیکل کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ای این ٹی ہوں۔ ہمارے فقراء میں سے کسی نے اسماعیل سے کہا کہ ایسے موقع پر اس کی نوکری اس کے منہ پر مارنی چاہیئے تھی اور ساتھ یہ بھی کہنا چاہیئے تھا کہ اس مہینے کی تنخواہ بھی میں نے آپ کو خیرات کے طور پر دیدی۔

ڈاکٹر زیاد نے بتایا کہ ایڈورڈز کالج پشاور جو عیسائیوں کا مشنری (مذہبی تبلیغی) کالج ہے، اس میں بھی اپریل تا ستمبر یونیفارم میں ٹائی کی پابندی معاف ہو جاتی۔ فیکلٹی کے انگریز اساتذہ بھی ٹائی ترک کر لیتے اور جوتوں کی بجائے پینٹ کے نیچے پشاوری چپل بغیر جراب کے پہنتے تھے۔ اتنا شعور ان کو ہے کہ اس گرمی میں ٹائی کی اذیت کے ذریعے سے اپنے انگریزی لباس کو غیر مقبول نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو واقعات

(انتخاب: پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب، شعبۂ سوِل انجینئرنگ، یو ای ٹی پشاور)

بزرگوں کی دعاؤں کی برکت

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ضرورت کی بات وقت پر قلب میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ سب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) کی دعاؤں کی برکت ہے۔

کانپور کے مدرسہ (جامع العلوم) میں جب میرا تقرر ہوا تو اس وقت میری عمر تھوڑی تھی۔ اکثر بڑی عمر کے طلباء مجھ سے پڑھتے ہوئے جھجکتے تھے۔ اس وقت وہاں پر انگریزوں کی عدالت میں طلاق اور نفقہ کا ایک مقدمہ کئی سالوں سے چل رہا تھا۔ اس مقدمہ کے متعلق ایک فتویٰ بھی عدالت میں داخل ہوا تھا، جس پر بہت سارے علماء کے دستخط تھے، اور میرے بھی دستخط تھے اس پر۔ انگریز حاکم نے فتویٰ دیکھ کر فریقین سے کہا کہ مقدمہ اتنے عرصہ سے عدالت میں چل رہا ہے اور یہ شرعی معاملہ ہے، لہٰذا جس عالم پر دونوں فریق راضی ہوں وہ عدالت میں اپنا بیان دے، اس کے فتویٰ کے مطابق عدالت سے حکم نافذ کر دیا جائے گا۔ دونوں فریق اس بات پر رضا مند ہو گئے۔ اب فتویٰ والے علماء کے نام فریقین کو سنائے گئے۔ کسی بھی عالم پر دونوں فریق رضا مند نہیں ہو رہے تھے۔ جب میرا نام لیا گیا تو دونوں فریق رضا مند ہو گئے۔ حاکم نے میرے نام سمن جاری کر دیا۔

تاریخ مقررہ پر میں کچہری پہنچا تو تمام وکلاء اور بیرسٹر جمع ہو گئے۔ سب نے مل کر کوشش کی اور حاکم کو درخواست دی کہ میری گواہی نہ ہو۔ حاکم نے کہا کہ میں مشورۃً کہتا ہوں کہ اگر وہ اپنا بیان دے دیں تو اچھا ہے، شریعت کا مسئلہ ہے حل ہو جائے گا، بشرطیکہ وہ بخوشی منظور کر لیں۔ مجھے بھی خیال ہوا کہ مسلمانوں کا معاملہ ہے، طے ہو جائے تو اچھا ہے۔ میں نے منظور کر لیا۔ حاکم نے حکم دیا کہ دوسرے گواہوں کی طرح پکارا نہ جائے اور جہاں تک ہماری سواری آتی ہے وہاں تک سواری پر آئے، اور حلف بھی نہ لیا جائے، اور اردلی کو حکم دیا کہ میرے لئے کرسی لائے۔ تمام کمرہ وکلاء اور بیرسٹروں سے

بھرا ہوا تھا کیونکہ شہرت ہوگئی تھی کہ آج میرا بیان ہے۔

عدالت نے میرے اور میرے والد کے نام کے بارے میں پوچھا۔ میں نے بتلا دیا۔ پھر پہلا سوال یہ ہوا کہ آپ عالم ہیں؟ میں نے دل میں کہا کہ یہ اچھا سوال ہوا! اگر کہتا ہوں کہ نہیں تو یہ ایشیائی مذاق (یعنی مسلمانوں میں جو اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے ایسے دعوے نہیں کیے جاتے) کو کیا جانے، کہے گا کہ سمن کی تعمیل غلط ہوئی کیونکہ اس پر عالم لکھا ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی نظر میں ایک قسم کی اہانت بھی ہوگی، کہے گا کہ آنے کی تکلیف ہی کیوں گوارا کی، اور اگر کہتا ہوں کہ عالم ہوں تو اپنے مذاق اور مسلک کے خلاف ہے۔ لہٰذا میں نے کہا کہ: مسلمان ایسا ہی سمجھتے ہیں۔

دوسرا سوال اس سے بڑھ کر ہوا۔ پوچھا کہ کیا سب مسلمان آپ کو مانتے ہیں؟

میں سوچ میں پڑ گیا کہ اگر کہتا ہوں کہ نہیں مانتے تو غیر مسلم کے سامنے اپنی سبکی اور اہانت ہوتی ہے، جس کو جی گوارا نہ کرتا تھا۔ دوسرا اس کہنے کا مقدمہ پر بھی اثر پڑے گا، کیونکہ مقدمہ کسی نہ کسی کے خلاف ہوگا، تو وہ کہے گا کہ یہ خود کہہ رہے تھے کہ سب مسلمان مجھے نہیں مانتے لہٰذا ہم بھی نہیں مانتے۔ اور اگر کہتا ہوں کہ سب مسلمان مجھے مانتے ہیں تو یہ بیان عدالت میں درج رہے گا اور جب بھی عدالت میں مسلمانوں کا مقدمہ ہوگا تو حاکم کہے گا کہ تم کو سب مانتے ہیں تم ہی اس کا انتظام کرو، تم ہی سب مسلمانوں کے ذمہ دار ہو۔ میں نے کہا کہ ماننے کے دو معنی ہیں: ایک تصدیق کرنا یعنی سچا سمجھنا، اور ایک تسلیم کرنا یعنی کہنا ماننا۔ تو تصدیق کے درجہ میں کوئی مسلمان ہمارے بتلائے ہوئے مسئلہ کو جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ رہا تسلیم کا درجہ، سو حکومت تو ہماری ہے نہیں، صرف اعتقاد پر مدار ہے، سو کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا۔

اس کے بعد اصل مسئلہ پر بیان ہوا۔ جب اجلاس سے باہر آیا تو تمام بیرسٹر اور وکلاء نے جمع ہو کر گھیر لیا۔ کہنے لگے کہ عجیب و غریب جواب ہوئے۔ دوسرے سوال میں ہم بھی چکر میں تھے۔ واقعی دوسرا سوال خلجان سے خالی نہ تھا۔ مگر جواب بھی ایسا ہوا کہ ہماری سمجھ میں بھی نہ آیا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی تائید میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ضرورت کی بات وقت پر قلب میں ڈال دیتے ہیں۔ دیکھئے اس حاکم کے سوال پر کہ کیا سب مسلمان آپ کو مانتے ہیں؟ کیسا جامع جواب قلب میں ڈال دیا۔ (ملفوظات حکیم الامت، جلد ۵)

(دوسرا واقعہ صفحہ ۲۲ پر)

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

(انتخاب: قاضی فضل واحد صاحب)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی ابتداء میں حضرت نہ تھے بلکہ آپ اول ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ سب ڈاکو آپ ہی کے پاس جمع رہتے لیکن جماعت کی نماز، روزہ اور نوافل کا اہتمام رکھتے۔ ایک مرتبہ لوٹ کے ارادے سے جا رہے تھے کہ یہ آیت کان میں پڑی:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ (الحدید:۱۶)

ترجمہ: کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔

اس آیت کا کان میں پڑنا تھا کہ نہ معلوم کیا اثر کر گئی کہ زار و قطار رونے لگے۔

اللہ تعالیٰ کو جب کوئی کام مقصود ہوتا ہے اس کے مناسب اسباب مہیا فرما دیتے ہیں۔ آپ کی عادت اول ہی سے یہ تھی کہ جب کسی سے مال چھینتے تو اس کی قیمت اور کیفیت وغیرہ لکھ لیا کرتے۔ جب آپ نے توبہ کی تو اپنے پاس لکھی ہوئی رقمیں واپس کیں۔ ایک یہودی سے ایک تھیلی چھینی تھی، واپس کرتے وقت اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میری تھیلی میں تو سونا بھرا ہوا تھا۔ حضرت نے ہر چند قسمیں کھائیں، عاجزی کی مگر اس نے ایک نہیں مانی۔ آخر اس یہودی نے خود ہی فیصلہ کیا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ سونے کی تھیلی کے بغیر تیرا قصور معاف نہیں کروں گا۔ جاؤ اندر وہ کیسہ (تھیلا) جو رکھا ہے وہ لے آؤ، پھر تمہارا قصور معاف کروں گا۔ انھوں نے وہ کیسہ (تھیلا) لا کر دیا۔ یہودی نے کھول کر دیکھا تو وہ سونا تھا۔ یہودی نے کہا کہ مجھے یقین کامل ہو گیا ہے کہ تو نے پکی توبہ کر لی ہے۔ اس لئے کہ یہ تھیلی ریت کی تھی۔ میں نے تورات میں دیکھا ہے کہ جس کی توبہ سچی ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں ریت بھی ہو تو سونا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔

ایک مرتبہ آپؒ کا دوران سفر ایک قافلہ پر گزر ہوا، وہ قافلہ والے آپس میں ذکر کر رہے تھے کہ ان اطراف میں فضیل نام کا ایک رہزن ہے اس کا خوف ہے۔ آپؒ کے کانوں میں اس کا ذکر پڑا تو فرمایا: تم کو مبارک ہو، اس نے توبہ کر لی ہے۔ فضیل رحمہ اللہ اس کے بعد کوفہ تشریف لے چلے اور کچھ

عرصہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں مقیم رہے۔ پھر بصرہ تشریف لے آئے اور خواجہ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا مرتبہ عطا فرمایا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر امام نے آپؒ سے اپنے لئے کچھ وصیت کی درخواست کی۔ آپؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''چھوٹا بن کر رہ، بڑا بن کر مت رہنا''۔ (حکایاتِ صالحین بحوالہ تاریخ مشائخ چشت)

برداشت کے حیرت انگیز واقعات

(انتخاب: سارہ سید۔ کوہاٹ)

بخار کے تحمل پر مغفرت کی بشارتیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک نوجوان حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا، ایک دن وہ نہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے فلاں نظر نہیں آ رہا؟ صحابہ نے عرض کیا: اسے بخار ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اٹھو اس کی عیادت کے لئے چلیں، جب حضور ﷺ اس نوجوان کے گھر میں اس کے پاس گئے، تو وہ رونے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مت رو کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ بخار میری امت کے لئے جہنم کے بدلہ میں ہے۔ (طبرانی)

تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا:

ایک شخص نے کھڑے ہو کر بازار میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کی اور گالیاں دیں۔ حضرت امام اعظمؒ نے غصہ کو ضبط فرمایا اور اسے کچھ نہیں کہا اور گھر واپس آنے کے بعد ایک خوان میں کافی درہم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر دستک دی۔ وہ شخص باہر آیا تو اشرفیوں کا خوان اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان فرمایا کہ اپنی نیکیاں مجھے دے دیں، میں اس احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ امام صاحبؒ کے اس معاملہ کا اس کے قلب پر اثر ہونا ہی تھا کہ آئندہ سے اس بری خصلت سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔ حضرت امام صاحبؒ سے معافی مانگی اور آپ کی خدمت اور صحبت میں علم حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت حاصل کی۔

حسن و عشق کا مرکز: حضرت محمد ﷺ

(قاضی عبدالسلام صاحب خلیفۂ مجاز حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مترجم: قاضی محمد طلال سلجوقی ایڈووکیٹ)

(اصلاً یہ تحریر ماہنامہ ''پشتو'' پشاور یونیورسٹی کے خصوصی نمبر ''اسلامی سال نمبر'' بابت صفر 1400ھ/1980ء میں چھپی تھی۔ قاضی عبدالسلام الاشرفی (1903-1984ء) کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے شاہجہانی عہد کے ممتاز صوفی بزرگ اور عالم ربانی حضرت قطب عالم شیخ اخوند اَدینَ سلجوقی قدس سرہٗ العزیز (1074ھ) تک پہنچتا ہے۔ مرحوم قاضی صاحب نے ابتدائی عربی، فارسی تعلیم گھر پر اپنے والد قاضی عصمت اللہؒ خادمِ شرع شریف (ولادت: 1285ھ) اور دادا جناب قاضی درِ مکنون خادم شرع شریف (1260-1335ھ) سے حاصل کی۔ اس کے بعد دیوبند، رحیمیہ دہلی، مدرسہ احمدیہ بھوپال سے سند فراغ حاصل کی۔ آخر میں مدرسۂ عبدالرب دہلی سے دورۂ حدیث کے بعد تھانہ بھون خانقاہ گئے۔ چار مہینے کی تربیت سے گزر کر بیعت کی درخواست کی۔ حضرت تھانویؒ نے بیعت کے ساتھ ہی خلافت سے بھی نوازا۔ مرحوم قاضی صاحب کے مطبوعہ علمی ادبی آثار میں دیوانِ حافظ الپوریؒ کی پہلی دفعہ اشاعت اس کی شرح ''لمعان حافظ'' کے نام سے، (پہلا ایڈیشن 1352ھ، مزید تین ایڈیشن ارتقائی مراحل سے گزر کر نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول کے مصداق ہوئے)، دیوان علی خان کی پہلی اشاعت (1357ھ/1939ء) درسی کتاب پشتو ادبی سوغات (نظم و نثر کا یادگار مرصع) سبیل المؤمنین، صراط مستقیم، شاہراہِ تبلیغ، اردو پشتو میں کافی سارے کالم، مقالات، عربی قصائد ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک اور دوسرے اصلاحی پرچوں میں چھپ چکے ہیں۔ کامل التعبیر ابوالفضل حسین بن ابراہیم محمد تفلیسی کا عربی خواب نامہ آپ کے والد صاحب جناب قاضی عصمت اللہ خادم شرع شریف نے پشتو میں ترجمہ کیا تھا، جسے آپ نے تکمیل و تصحیح و ترتیب سے گزار کر 1383ھ میں شائع کیا۔ علاوہ ازیں آپ کے دو انتہائی اہم نوادرات تا حال اشاعت کے منتظر ہیں۔ اول، مولانا تھانوی رحمہ اللہ اور آپ کے درمیان خط و کتابت کا ذخیرہ، دوم اعلیٰ تغزل کے رنگ میں آپ کا اردو، پشتو، عربی اور فارسی منظوم کلام ''روح الارواح''۔ دونوں کے مسودات پروفیسر قاضی خلیل الرحمان صاحب خطیب نوشہرہ کی لائبریری میں دار القضاء کی کئی سو سالہ فتاویٰ و فیصلوں اور دوسری بیش قیمت دستاویزات کے ساتھ محفوظ ہیں۔ اللہ کرے ان کی اشاعت کی کوئی صورت نکلے۔ از مترجم)

اس مقالے کا آغاز اپنے دیوان ''روح الارواح'' کی اس غزل سے کرتا ہوں۔

دی وئیلی رب ذوالمجد وَالعُلیٰ   په ازل کښېے وم زه کنزاً مخفیا

خزانې د عجب حسن او جمال مې   په پردو کې وې مستوراً خفیا

اراده مې داسې وشوه چه ښکاره شم   رنګا رنګ دا مخلوقات مې کړه پیدا

اولین شته چه پاک رب متعال وکړه   هغه نور وو د نبی خیر الوری

بیا له هغه نور له فیضه ئې عرش کرسی کړه   آسمان زمکې دوزخ جنت الماوی

دآدم بت چه ئې له تورې ختې ساز کړه   کړه ئې ممتاز بیا په و علم الاسماء

په جبین کښې ئې ورته پاس هغه نور کیښود   چه پیدا وه له هغه ټوله دنیا

مبتلا ئې دده اولاد په نفس شیطان کړه   هم دحسن او د عشق په واویلا

حسن خپل ئې په تمام مخلوق کښې خور کړو   بیا ئې عشق کړه په خپل حسن مبتلا

آویزش د حسن و عشق ئې یو جانب کړه   بل خوا روح له نفس شیطان نه په شکوی

په عجب بوخته کښې ئې دا بنی آدم پرې ئست   چه نه ئې صبر نه خلاصې شته له بلا

دا په دې چه خپل صفات په دوی ښکاره کړی   ستاری او غفاری، حلم او عطا

آئینه ئې د خپل ټول حسن محمد کړه   چه ترې جار کړی عاشقان سر و مال بیا

یا وی شور د آه او اوه د عشق له لاسه   یا سجدې سبحان ربی الاعلی

دا عالم ئې ټول مظهر دې د صفاتو   محمد مظهر اتم ئې د اسما

هزاران هزار درود سلام بې حده   په مرکز د حسن و عشق صل علی

د قاضیؔ د پاک رب دا مینه نصیب کړی   دغه دې د ژوندون مقصد اسنی

عربی میں 'اخلاق' خلق کی جمع ہے۔خلق ایک ''خ'' کے زبر کے ساتھ، اور ایک ''خ'' کے پیش کے ساتھ دولفظ ہیں۔ پہلا انسان کے ظاہری اعضاء کی ترتیب کا نام ہے (خَلق)، سر آنکھیں، ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ دوسرا انسان کی روح اور نفس کی ترکیب اور بناوٹ کا نام ہے (خُلق)۔انسان کو ربِ پاک

نے جس طرح اِن ظاہری اعضاء اوران کی مناسب بناوٹ سے نوازا ہے، جب وہ آنکھوں کی روشنی (بصارت) سے دیکھتا ہے، کچھ ایسی ہی ایک باطنی روحانی بناوٹ بھی اسے عنایت کی ہے جو صرف روح کی آنکھوں سے (بصیرت سے) سے نظر آتی ہے، جسے سیرت کہتے ہیں۔اور اِن دونوں طریقوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو الگ الگ صورت اور سیرت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ایک ظاہری شکل وصورت ہے اور دوسری باطنی ومخفی شکل وسیرت ہے، مگر سیرت کا مرتبہ صورت سے کافی بلند ہے، کیونکہ ظاہری شکل کی پیدائش مٹی سے ہے۔خدا فرماتے ہیں:

اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ (ص: ۷۱)

(بیشک میں ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں مٹی سے)

اور یہ باطنی سیرت روح سے ہے۔اور روح امرِ ربّی ہے، جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس باطنی خوبصورتی کی بنیاد صرف اللہ تعالی کے امرونہی (پرکاربندی) اوران کے فضل وکرم پر ہے۔اور یہ اخلاق خواہ اچھے ہوں یا برے فطری پیدائش کے لحاظ سے سب اچھے ہیں۔اچھا اور برا نام اس کے استعمال کی بنیاد پر ملتا ہے۔ ہر ایک فطری قوت کا استعمال اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے احکام کے موافق ہوتو وہ اچھا ہے۔اور جو اس کی خوشنودی کے لئے نہ ہو، یا اس کے احکام کے مطابق نہ ہو، تو وہ برا ہے۔جیسے سخاوت اور بخل ہے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتو دونوں اچھے ہوئے، اگر اس کے لئے نہ ہوتو دونوں برے ہیں۔اگر اعتدال سے زیادہ ہوں تو بھی برے، اگر اعتدال سے کم ہوتو بھی برے۔ اور حدِ اعتدال کے اندر رہتے ہوئے سارے اخلاق پھر حسن ٹھہرے۔اور کمی بیشی میں باطنی قوتوں کا یہ حدِ اعتدال ہر کسی کی اپنی سمجھ اور عمل پر منحصر ہے۔جس کا علم صحیح ہو اور ایسے ہی کوشش بھی صحیح ہوتو اس کا درجۂ اعتدال بھی صحیح ہوگا۔ وہ حسن کا مالک ہوگا۔جس کی سمجھ علم غلط ہو یا کوشش غلط نہج پر ہو وہ حسن کا مالک نہ ہوگا۔

مگر حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ پاک کے تمام باطنی قوتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ حدِ اعتدال پیدائشی طور پر بنا کسی کوشش کے کوٹ کوٹ کر رکھی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت، عقل کے ہر اندازے و گمان سے برتر اور ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہے۔جیسا کہ ظاہری شکل وصورت بھی ہر عیب سے

ایسی پاک کہ دشمنِ تیرہ نظر (اندھا) اسمیں بال برابر نقص نکالنے سے عاجز ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ　　کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

(آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں، گویا ایسے پیدا کئے گئے جیسے آپ ﷺ ہی کی خواہش تھی)

تاچہ حسن پہ دنیا کښې رونما کړه	خپل ښائست ته دې خوږ شکل ورعطا کړه
د ښائست پہ هر کالی دې آراسته کړه	پہ نازک لطف و کرم دې سر بالا کړه
د آدم پـــه قــدمــون د مهيـــا کړه	بيا پہ خپل خواږه خطاب د مصطفی کړه
چہ پہ هر يو سر اسرار د مشرف کړه	بيا د کل ملک فلک پہ ده شيدا کړه
پہ دا هسې لوئې کرم چہ د مخصوص کړه	بيا د مو نږ غوندې بې قدرو لره را کړه
قدر دانو خو پہ سر پہ سترګو ځائې کړه	بد قسمتو ترې نہ خپل سر مخ پہ شا کړه
بيا د دې ډير لوئې احسان تہ شرمندہ يم	چہ قاضیؔ د هم د دہ د در ګدا کړه

(روح الارواح)

پاک حضرت کے اخلاق عالیہ کے بارے میں صحیح بخاری شریف سے ایک حدیثِ قدسی یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں جو حضرت پاک ﷺ کے اکثر اخلاق کی جامع ہے۔اور باقی قرآن پاک سارا حضور اقدس ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کی شرح ہے۔حدیث قدسی یہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱) یَاۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا　اے پاک نبی ہم نے تمہیں حق کا گواہ بنا کر بھیجا ہے۔

(۲) وَمُبَشِّرًا　فرمانبرداروں کو خوشخبری سنانے والے۔

(۳) وَنَذِیْرًا　گمراہوں کو عذاب سے ڈرانے والے۔

(۴) وَحِرْزًا لِّلْاُمِّیِّیْنَ　ان پڑھوں کے لئے جائے پناہ۔

(۵) اَنْتَ عَبْدِیْ وَ رَسُوْلِیْ　تم میرے خاص بندے اور میرے خاص رسول ہو۔

(۶) سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ　میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے کیوں کہ ہر معاملہ میں تیرا بھروسہ مجھ پر ہوتا ہے۔

(۷) لَیْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِیْظٍ　تم نہ تو سخت مزاج ہو اور نہ ہی سخت دل۔

(۸) وَلَا سَخَابٍ فِي الاَسْوَاق اور نہ ہی بازاروں میں شور شرابا کرنے والے ہو۔

(۹) وَلَا يَدفعُ السَّيِّئَةَ بالسَّيِّئَةِ اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہو۔

(۱۰) وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَ يَغْفِر اور غلطیاں بخشتے ہو۔

(۱۱) وَلَا يَقبِضَهُ اللّٰه حتّٰى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعِوَجاءَ اللہ تعالیٰ اس کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرینگے جب تک اس کی گمراہ قوم اس کے ذریعے سے راہِ ہدایت پر نہ لائے۔

(۱۲) ويَفتَحُ بِهٖ اَعْيُناَ عُمْيَا یہاں تک کہ کفار کی اندھی آنکھیں اسی سے بینا کردے۔

(۱۳) وَاٰذاناَ صُمًّا اور بہرے کان کفار کے آپ (کی تبلیغِ دین) سے کھول دے۔

(۱۴) وقُوبَا غُلفاَ اور پردوں میں گھرے ہوئے دلوں کے پردے کھول دے۔

(۱۵) اُسَدِّدُهٗ بِكُلِّ جَمِيْلٍ اور ہر خوبی میں انہیں کمال عطا کرونگا۔(انتہا کردونگا)

(۱۶) واَهَبُ لَهٗ كُلَّ خُلقٍ كريمٍ اور عنایت کرونگا اسے ہر اچھی خلق۔

(۱۷) وَاَجعلُ السَّكِينَةَ لِبَاسَهٗ وَ شِعَارَهٗ اور سکون واطمینان اس کا لباس و پوشاک بنادونگا۔

(۱۸) والتقوىٰ ضَمِيرَه اور تقوی اس کا دل بنادونگا۔(باطن بنادونگا)

(۱۹) وَالحِكمَةَ مَعقُولَهٗ اور ان کی ہر سمجھ بوجھ کو علم وحکمت بنادونگا۔

(۲۰) والصِّدْقَ وَالْوَفاءَ طَبِيْعَتَهٗ سچائی اور وفاداری ان کی طبیعت کا خاصا بنادونگا۔

(۲۱) والعَفْوَ وَالْمَعرُوْفَ خُلُقَهٗ درگزر اور نیکی کرنا ان کی عادت بنادونگا۔

(۲۲) والْعَدْلَ سِيْرَتَهٗ عدل وانصاف اس کی خُو بو بنادونگا۔

(۲۳) وَالحَقَّ شَرِيعَتَهٗ حق کو اس کی شریعت بنادونگا۔

(۲۴) والهُدىٰ اِمَامَهٗ ہدایت کو اس کا امام بنادونگا۔

(۲۵) والاِسلامَ مِلَّتَهٗ اسلام اس کا دین بنادونگا۔

(۲۶) اَحْمَدُ اِسْمُهٗ احمد اس کا نام ہے۔

(۲۷) اهدِىْ بِهٖ بعدَ الضَّلالَةِ اسی کے ذریعے گمراہی کے بعد لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاؤنگا۔

(۲۸) اُعلِمُ بِهٖ بَعدَ الجَهَالَةَ جہالت کے بعد اسی کے ذریعے سے علم وعرفان لوگوں کو عطا کرونگا۔

(۲۹) وارفعُ بِهِ الخمالَةَ　اسی کے ذریعے سے درماندہ لوگوں کو بلند مرتبے عطا کرونگا۔

(۳۰) واَسْمیٰ بِهِ بَعدَ النُّکرَةَ　اسی کے ذریعے سے کسمپرسوں کو بلند درجے دونگا۔

(۳۱) وَاُکثِرُ بِهِ بَعدَ القِلَة　اوراسی کے ذریعے سے اس کے کم ساتھیوں کو بڑھاونگا۔

(۳۲) وَاُغنِی بِهِ بعدَ العَیلَةَ　اوراسی کے ذریعے مسکینوں کو اغنیا بناؤنگا۔

(۳۳) وَاُؤء لِفُ بِهِ بَینَ قُلُوبِ مُّختَلِفَةَ　اوراسی کے طفیل اختلاف رکھنے والے دلوں میں الفت و محبت ڈالونگا۔

(۳۴) واَھوَاءِ مُّشَتّتِةِ　اوراسی کے ذریعے منتشر خواہشات اکھٹا کرونگا۔

(۳۵) وَاُمَمُ مُّتفَرِّقَهِ　اوراسی کے ذریعے منتشر اقوام کو اکھٹا کرونگا۔

(۳۶) وَاَجعَلُ اُمَّتَهُ خیرَاُمَّةِ اُخرِجَت لِلنَّاسِ　اوراس کی امت کو سب سے بہترین امت ٹھہراؤنگا جو لوگوں کی ہدایت کے لئے دنیا میں نکلی ہوگی۔

جوآپ ﷺ کے دین کے علم وعمل پر مخلوق کو آمادہ کرے گی کیونکہ قیامت تک حضور اقدس ﷺ کے دین کے علاوہ کوئی راستہ نجات کا نہیں۔اور یہ فریضہ انبیاء کا ہے اور یہ امت انبیاء کی وارث قرار پائی۔

عفو وکرم کا ایک واقعہ

حضور اقدس ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد مکہ معظّمہ میں تیرہ سال گزارے تھے۔ظلم وستم کا کوئی حربہ ایسا نہ رہا تھا جو ان ظالموں نے مسلمانوں پر نہ آزمایا ہو۔یہاں تک کہ جب مجبور ہوئے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعز مجدہٗ نے انہیں ہجرت کی اجازت سے نوازا۔مگر فتحِ مکہ معظّمہ کے دن، جب ان ستم گروں کی تباہی کے لئے آپ ﷺ کا اشارہ ہی کافی تھا، اور سارے شرمندہ سرنگوں کھڑے تھے۔اس رحمتِ مجسم کے شانِ کریمی کو دیکھئے۔حضور ﷺ نے فرمایا: میں آج آپ کو وہی کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (یوسف:۹۱)

تم لوگوں پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم آزاد ہو۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ واصحابہٖ وآلہٖ بِقدرِ حسنہٖ وجمالہٖ وکمالہٖ.

رمضان المبارک اور وحی الٰہی کا خاص تعلق

(ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم۔ انتخاب: قاضی عنبرین طیب)

(رمضان کا مبارک مہینہ ہم پر سایہ فگن ہونے کو ہے۔ قرآن پاک اور دوسری آسمانی کتابیں رمضان کی مبارک گھڑیوں میں ہی کیوں نازل کی گئیں، اس عنوان سے ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم ومغفور (1950-2010ء) کے محاضراتِ قرآنی سے دلچسپ اقتباس پیش ہے)

رمضان المبارک کے مہینہ کو نزولِ قرآن سے خاص نسبت معلوم ہوتی ہے۔ ایک مشہور حدیث ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ تورات، زبور اور انجیل یہ تینوں کتابیں رمضان میں اتاری گئیں۔ اس سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ شاید بقیہ کتابیں بھی جن کا یہاں ذکر نہیں ہے وہ بھی رمضان میں ہی اتاری گئی ہوں گی۔ اس روایت میں رمضان کی ان تاریخوں کا ذکر بھی ہے، جن میں یہ آسمانی کتب نازل ہوئیں۔ تورات ۶ رمضان کو، انجیل ۱۳ رمضان کو، زبور ۱۸ رمضان کو اور قرآن پاک ۲۷ رمضان کو اتارا گیا۔ گویا رمضان المبارک کو وحی الٰہی کے ساتھ ایک خاص تعلق اور خاص نسبت ہے۔ یہاں اس کی طرف مختصراً اشارہ کر دیتا ہوں کہ وہ کیا نسبت ہے اور کیوں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے نزول کے لئے رمضان کے مہینے کو منتخب فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے اور ایک الگ باب حُجَّۃُ اللّٰہِ البَالِغَہ میں اس مضمون پر گفتگو کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان جن قوتوں سے عبارت ہے وہ دو قسم کی ہیں۔ بالفاظ دیگر انسان جن بے شمار قوتوں کا مالک ہے ان سب کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک زمرہ وہ ہے جس کو شاہ صاحبؒ ملکوتی خصائص کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی فرشتوں کے خصائص، اور دوسرا زمرہ وہ ہے جس کو وہ بہیمیت کا نام دیتے ہیں، یعنی حیوانی عادات وخصائص۔ عام انسانوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ حیوانی خصائص پر زیادہ زور دیتے ہیں، ان کو بھوک بھی شدت سے محسوس ہوتی ہے، پیاس کا بھی احساس ہوتا ہے، گرمی اور سردی بھی بہت لگتی ہے

اور نیند کا بھی شدید غلبہ ہوتا ہے۔ دیگر جسمانی تقاضے بھی شدت سے طاری ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایک عام انسان اپنی زندگی کے ان پہلوؤں پر بہت زور دیتا ہے۔ لیکن ملکوتی خصائص پر عام لوگ کم توجہ دیتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ کے خاص بندے اور ملائکہ روحانی خصائص پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ ان دونوں خصائص کے درمیان توازن برقرار رکھنے کا نام ہی شریعت ہے۔ ارشاد ربانی: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ۙ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا. (الشمس: ۱۰،۹،۸) جو شخص اپنے اس روحانی پہلو کو سنوارے اور ترقی دے وہ کامیاب ہے اور جو اس کو بگاڑے وہ ناکام ہے۔ یہی دراصل شریعت کا مقصد ہے، اور اسی توازن کو حاصل کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے شریعت اتاری گئی ہے۔

اب جب کوئی شخص اپنی ملکوتی صفات کو ترقی دیتا ہے اور اپنے اندر کے فرشتہ صفت رجحانات کو سامنے لاتا ہے، اور حیوانی رجحانات کو ان کے تابع کر کے ان کو اعلیٰ روحانی مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے روز افزوں ہوتا رہتا ہے، اور ایک ایسا روحانی قرب اسے بارگاہ الٰہی سے، جس کو شاہ صاحب ملاءِ اعلیٰ کا نام دیتے ہیں، حاصل ہو جاتا ہے جو بڑھتا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو خاص طور پر اس کام کے لئے تیار کیا گیا اور منتخب کیا گیا۔ ان کی مزید روحانی تیاری اور روحانی ارتقاء کے لئے رمضان المبارک کے مہینے کا انتخاب کیا گیا۔ تاکہ وہ ملکوتیت کے بلند ترین مقام سے بھی آگے بڑھ جائیں اور وحی الٰہی کا نزول ان پر آسان ہو سکے۔

یہ خلاصہ ہے شاہ صاحبؒ کی اس بحث کا جو انہوں نے اس موضوع پر کی ہے کہ رمضان المبارک میں قرآن پاک کا نزول کیوں ہوا۔

ایک دوسرا سوال جس پر مفسرین اور محدثین نے بحث کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو قرآن مجید ۲۳ سال کے عرصہ میں نازل ہوا۔ دوسری طرف خود قرآن پاک میں ذکر ہے کہ یہ رمضان میں نازل ہوا۔ اب ان دونوں بظاہر متعارض حقائق میں تطبیق (Reconciliation) کیسے ہو۔ محدثین کی بڑی تعداد اور مفسرین کی غالب اکثریت نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کا فیصلہ فرمایا تو اس کو لوحِ محفوظ سے سماءِ دنیا پر نازل فرمایا اور وہاں اس کو ایک خاص مقام پر

رکھا جس کے لئے حدیث میں بیت العِزۃ کا لفظ آیا ہے۔عزت کے معنی عربی میں بہت وسیع ہیں،غلبہ، اعزاز، بلندی، رفعت وغیرہ۔گویا بیت العِزۃ سے مراد وہ بلند مقام ہے جو ہر غلبہ،اعزاز اور رفعت کا سزاوار ہے۔وہاں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جبرئیل امین اسے لاتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے رہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جبرئیل امین براہ راست بھی اس جگہ سے لے سکتے تھے جہاں سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا۔لیکن اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنی کسی اور مخلوق کو اس مقام تک رسائی عطا نہیں فرمائی جہاں سے قرآن پاک نازل کیا گیا۔ ہمارے مفسرین، محدثین اور مفکرین اور صوفیاء سب نے لکھا ہے کہ معراج کے موقع پر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ جبرئیل امین نے کہا کہ اب آپ تنہا تشریف لے جائیے، میری پہنچ یہاں ختم ہوگئی ہے۔ایک مشہور صوفی شاعر نے اپنے محدود پیرایہ بیان میں جبریل کے احساسات کی یوں ترجمانی کی ہے:

اگر یک سر موئے بر تر پرم　　　فروغ تجلی بسوزد پرم

(اگر یہاں سے بال برابر بھی اونچی پرواز کروں تو تجلیات کی زیادتی سے میرے پر جل جائیں گے)

جبریل مقامِ سدرہ سے گر آگے بڑھیں پر جل جائیں

محبوبِ خدا کی منزل کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے

چنانچہ قرآن پاک کا جو پہلا نزول ہے اس کے لئے قرآن پاک میں لیلۃ القدر، شَہر مبارک کے اشارے کئے گئے ہیں۔اس کو ہم ابتدائی یا اجمالی نزول کہہ سکتے ہیں۔اور بقیہ نزول جس کو تفصیلی نزول کہا جاسکتا ہے، جس کے بارے میں کل تفصیل سے گفتگو ہوگی وہ ۲۳ سے کچھ کم سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ (محاضرات قرآنی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، الفیصل ناشران، لاہور، اشاعت پنجم ۲۰۰۹ء ص ۶۸-۶۶)

اطلاع

پورے رمضان بالخصوص آخری عشرہ میں خانقاہ میں اعتکاف کا بندوبست ہوگا۔

آخری عشرہ کا اعتکاف ۱۵ مئی بروز ہفتہ غروب سے پہلے شروع ہوگا۔

قرآن کے الہامی ہونے پر اقبالؔ کی دلچسپ گفتگو

(انتخاب: قاضی محمد رابع سلجوقی)

ایک دفعہ اُن کی طبیعت ذرا شگفتہ تھی۔ یعنی باتیں کرنے کے ’’موڈ‘‘ میں تھے۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کے سوال کیا کہ ڈاکٹر صاحب آپ شعر کیسے کہتے ہیں؟ کہنے لگے تم نے بڑا دلچسپ موضوع چھیڑ دیا ہے۔ لیکن پہلے ایک واقعہ سن لو۔ ایک مرتبہ فارمن کرسچن کالج لاہور کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے مجھے بھی اس میں دعوتِ شرکت دی، اجلاس کا پروگرام ختم ہونے کے بعد چائے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ہم لوگ چائے پینے بیٹھے تو ڈاکٹر لوکس میرے پاس آئے اور کہنے لگے: چائے پی کے چلے نہ جانا مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ ہم لوگ چائے پی چکے تو ڈاکٹر لوکس آئے اور مجھے اپنے ساتھ ایک گوشے میں لے گئے۔ پھر کہنے لگے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے نزدیک تمہارے پیغمبر پر صرف قرآن کریم کا مفہوم نازل ہوا تھا، اسے اپنی زبان میں منتقل کرلیا، یا قرآن کی موجودہ عبارت نازل ہوئی تھی۔ گویا تمہارے عقیدے میں قرآن کے مطالب الہامی ہیں یا تم اس کے الفاظ کو بھی الہامی سمجھتے ہو؟

میں نے کہا میں تو قرآن کے الفاظ کو بھی الہامی سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک قرآن کی عبارت عربی زبان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ ڈاکٹر لوکس یہ غیر متوقع جواب سن کر حیران ہو گئے اور بڑے تعجب آمیز لہجہ میں بولے: ’’مجھے تعجب ہے کہ تم ایسا ہوش مند کسی ثبوت کے بغیر کیونکر اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی الہامی ہیں؟‘‘

میں نے کہا ’’ڈاکٹر صاحب جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو مجھ پر پورا شعر اترتا ہے، پھر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر جسے خدا نے دنیا کی رشد و ہدایت کے لئے بھیجا تھا، قرآن کریم کی پوری عبارت کیوں نازل نہیں ہو سکتی۔ آخر اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ڈاکٹر لوکس کو میں نے اس طرزِ استدلال سے لاجواب کر دیا۔

(روزگارِ فقیر: شاعرِ مشرق سے چند ملاقاتوں کی یادداشت، فقیر سید وحید الدین، سید برادرز لاہور، پہلا ایڈیشن، صفحہ ۵۶)

رحمان باباؒ کے کلام کا منظوم اردو ترجمہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

صاحبان چی دارشاد دی مقتدا چار یاران د پاك رسول دی په رختیا

دس بشارت یافتہ بندوں میں سے چار ہیں
جو محمد مصطفیٰ صلّے علیٰ کے یار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

مقتدا ارشاد کے ہیں چار یار
یہ نبی کے دوست ہیں اور غمگسار (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

له اوله ابوبکر چی صدیق دے بهترین دے له یارانو په هر چا

ہمدم و ہمراز ہیں سچوں کے سچے بوبکر
آپ غارِ ثور کی نسبت سے یارِ غار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

سب سے پہلے بوبکر صدیق ہیں
چاروں یاروں میں سے بڑھ کر ہیں یہ یار (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

پس له ده نه بیا بهتر حضرت عمرؓ دے چی ئی حق باطل په عدل کڑه جدا

عدل کا سورج نکلتا ہے عمرؓ کے نام سے
درمیانِ حق و باطل مستند معیار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

دوسرا درجہ عمر فاروقؓ کا
جس کا باطل پر بہت پڑتا ہے بار (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

بیا دریم پسی عثمانؓ بن عفان دے ذوالنورین ئی نام په روغه په رختیا

حضرت عثمانؓ ذوالنورین ہیں دل کے امیر
آپ محتاجوں کے حق میں ابرِ گوہر بار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

تیسرا درجہ ہے پھر عثمانؓ کا
دخترانِ دو کا خاوند ہے یہ یار (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

سلورم پسی بهتر حضرت علیؓ دے لـه اصحـابـو اولیاؤ کبـریـا

شیرِ یزداں شاہِ مرداں ہیں علی مرتضٰی

علم وعرفان وشجاعت کے علم بردار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

ہیں چہارم حیدرِ کرار اور شیرِ خدا

اولیائے کے اور صحابہ کے گلے کا ہیں یہ ہار (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

اصحاب ده پاك رسول وو لكه ستوري هـمـه واړه ده هـق لاری رهـنـمـا

کہکشاں کے طور گھیرا ہے رسولِ پاکؐ کو

رہروِ حق کے لئے یہ نور کا مینار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

سب صحابہ ہیں ستارے نور کے

راہِ حق کی رہنمائی کے ہیں سارے راہنما (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

چی خلاف د دوی ده قوله چا عمل کا د هـغـو خـلـل په دین کی شو پیدا

اختلاف ان سے کریں تو دین میں آئے خلل

انحراف ان سے کریں تو ہم ذلیل وخوار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

ہو عمل جس کا صحابہؓ کے خلاف

اس سے اس کے دین میں جانو کہ ہے نقص آگیا (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)

....

ما رحمان دی سلور واړۀ قبول کړی دوی زمـا هـم مـقـتدا دی هم پیشوا

میں تو اے رحمان ان چاروں کو کرتا ہوں قبول

کاروانِ زندگی کے قافلہ سالار ہیں (طٰہٰ خان صاحب)

سب کو مانا دل سے ہے رحمان نے

سب ہیں اس کے مقتدا اور پیشوا (ڈاکٹر فدا محمد صاحب)